وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

زیرِ سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مُدیرِ مسئول

اسرار احمد

جلد ۱۲ | جنوری ۱۹۶۷ء | شمارہ (۱)

فہرست

(۱) تذکرہ و تبصرہ ——— اسرار احمد ۲

(۲) تدبّرِ قرآن ——— مولانا امین احسن اصلاحی

★ مقدمہ (۴) ——— ۱۲

★ تفسیر سورۂ آلِ عمران (۱۳) ——— ۲۶

(۳) مقالات ———

رسول اللہ کا منصب ——— مولانا ضیاء الدین اصلاحی ۴۰

(۴) تقریظ و تنقید ——— ادارہ ۵۴

جملہ خط و کتابت اور ترسیلِ زر کے لیے پتہ

دار الاشاعت الاسلامیہ بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر، لاہور ۱

قواعد و ضوابط

★

★ "میثاق" ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔

★ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ہو جانی چاہئے ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا۔

★

★ ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔

★ پرچہ صرف بذریعہ وی۔ پی ارسال ہوگا۔

★ کمیشن ۲۵ فی صد — محصولڈاک بذمہ میثاق۔

★

☐ اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ / اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہو چکا ہے۔ آئندہ کے لئے

★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں ——— یا

★ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرماویں ——— ورنہ

★ آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی۔ پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

★

ہندوستانی خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقوم ارسال کر کے ہمیں مطلع فرماویں:

۱ - دفتر ماہنامہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

۲ - دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ

★

★ قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے۔

★ سالانہ زرمبادلہ ساڑھے سات روپے۔

★ مشرق پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک پندرہ روپے۔

★

ترسیلِ زر اور جملہ خط و کتابت کا پتہ

دار الاشاعت الاسلامیہ

بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر، لاہور ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

گزشتہ شمارے میں ہم نے جناب چوہدری محمد مجیب صاحب کا "عنایت نامہ" من وعن شائع کر دیا تھا۔ چوہدری صاحب موصوف جماعت اسلامی کے انتہائی نیک دل اور سادہ مزاج بزرگوں میں سے ہیں اور کسی زمانے میں ان سطور کے راقم کے ساتھ ان کا تعلق بہت مشفقانہ رہا ہے۔ اسی تعلق خاطر کے حوالے سے انہوں نے ماضی کی گفتگو میں بھی راقم الحروف کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ہم اس گفتگو کا تذکرہ ہرگز نہ کرتے اگر چوہدری صاحب نے اپنے حالیہ مکتوب کی ابتدا ہی اس کے حوالے سے نہ کی ہوتی اور یہ شکوہ نہ کیا ہوتا کہ — "تم نے اس وقت بھی میری باتوں کا کوئی جواب نہ دیا تھا! — اس گفتگو میں چوہدری صاحب نے اپنے استدلال کی پوری عمارت اس بنیاد پر کھڑی کی تھی کہ تم جماعت اسلامی کے دورِ اول (قبل از تقسیم ہند) اور دورِ ثانی (بعد از تقسیم) کے مابین جو بُعد اور فرق محسوس کر رہے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے جماعت کے دورِ اول کا ایک نہایت اعلیٰ لیکن خیالی نقشہ اپنے ذہن میں قائم کر لیا ہے اور اس سے تم دورِ ثانی کا تقابل کر رہے ہو — حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے جماعت اسلامی کے چوٹی کے لیڈروں کو دارالاسلام میں بھی گوشت کی بوٹیوں پر لڑتے دیکھا ہے!" —

سچی بات یہ ہے کہ چوہدری صاحب کے اس استدلال کا کوئی جواب اس وقت تو کیا آج بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ اس وقت بھی ہم چوہدری صاحب کی "سادگی" کے قائل ہو گئے تھے کہ جماعت کے حالیہ موقف کی وکالت کا اس سے انوکھا اور اچھوتا طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا — اور اب بھی اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے!

البتہ محض بطور اظہار واقعہ یہ عرض کئے دیتے ہیں کہ چوہدری صاحب کی اس "حقیقت نگاری" سے ذہن خواہی نخواہی تاریخ قادیانیت کی اس اہم حقیقت کی جانب منتقل ہو جاتا ہے کہ دُور سے "قادیان" کی "دعوت اسلامی" سے متاثر ہو کر جب لوگ اپنا سارا اثاثہ اور مال اسباب سمیٹ کر قادیان میں آباد ہونے کے لیے آجاتے تھے تب ان پر "داعی قادیان" کی اصل شخصیت منکشف ہوتی تھی

لیکن جس وقت تک وہ "حقائق" سے باخبر ہوتے تھے اس وقت تک قادیانیت کے معاشی اور معاشرتی شکنجے ان کو مضبوطی کے ساتھ اپنی گرفت میں لے چکے ہوتے تھے — اور پھر انہیں مجبوراً اس جال میں پھنسے رہنا پڑتا تھا — !

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا جماعت اسلامی کے دورِ اول کا سارا مطالعہ یا اس کے لٹریچر پر مبنی ہے اور یا پھر اس کے عام ارکان اور کارکنان کے احوال و کوائف کے مشاہدے پر! — رہے اس کے "مرکز" کے "اسرار درون پردہ" — تو ان سے ہم آج بھی بہت ہی کم واقف ہیں، اپنے بیان کی تحریر کے وقت تک تو یہ واقفیت بالکل ہی عدم کے درجے میں تھی — !

اپنے مکتوب کے آخر میں چوہدری صاحب نے راقم الحروف پر یہ مشفقانہ کرم فرمائی کی ہے کہ — "یہ چند سطور یہ سمجھ کر آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ کو کوئی مغالطہ لگا ہوا ہے یا آپ احساس کمتری کا شکار ہو گئے ہیں ......" اور ایک دوسرے مقام پر انہوں نے یہی احساس کمتری کی پھبتی جماعت سے علیحدہ ہونے والے سب لوگوں پر مجموعی طور پر کس دی ہے۔

جہاں تک ذاتی طور پر راقم الحروف کا تعلق ہے۔ وہ اسے ایک بزرگ کی عطائے مشفقانہ سمجھ کر شکریے کے ساتھ قبول کر سکتا ہے — لیکن بات چونکہ اس سے آگے نکل گئی ہے لہٰذا ہم صرف یہ عرض کرنے کی گزارش چاہتے ہیں کہ جدید نفسیات کا دائرہ اصطلاحات بہت وسیع اور اس کے بیان کردہ COMPLEXES کی فہرست بہت طویل ہے اور ان کے ذریعے "تنابز بالالقاب" کا کھیل بہت آسانی سے کھیلا جا سکتا ہے — مثال کے طور پر ہم چوہدری صاحب ہی سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ذرا اپنے دل کو ٹٹولیں کہ جب کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ ان کے ممدوح اعلیٰ جذبۂ اقتدار طلبی (POWER INSTINCT) سے مغلوب ہیں اور بچپن ہی سے ان پر خود نمائی کا جذبہ غالب رہا ہے۔ تو کیا یہ بات انہیں اچھی لگتی ہے — ہمارے نزدیک نفسیات کی اصطلاحات کی آڑ میں سب و شتم کوئی شریفانہ فعل نہیں ہے — اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے "اذا خاصم فجر" کو نفاق کی علامات میں سے بیان فرمایا ہے — لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اس خار دار وادی میں قدم رکھنے سے احتراز کیا جائے۔

چودھری صاحب کا یہ مکتوب متعدد معنی لطیفوں پر مبنی ہے۔ مثلاً ایک یہ کہ ہم نے مولانا مودودی!

جماعت اسلامی کے خلاف کوئی مہم جاری کر رکھی ہے ـــ دوسرے یہ کہ ہم خود تو حملے کیے جا رہے ہیں، لیکن جواب میں جو باتیں کہی جا رہی ہیں، ان کا نوٹس نہیں لیتے۔ تیسرے یہ کہ ہم نے یہ شغل محض تفریح طبع کے لیے یا انتقام کے جذبے سے مغلوب ہو کر اختیار کیا ہے اور اس سے کوئی مثبت مقصد ہمارے پیش نظر نہیں ہے ـــ وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کرنے سے پہلے یہ چاہتے ہیں کہ اصل صورتِ واقعہ مجملاً پیش کر دیں، تاکہ چودھری صاحب اور ان کی طرز پر سوچنے والے دوسرے حضرات اس پر غور کر سکیں۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک جماعت اسلامی ایک خاص دعوت اور نظریہ ـــ اور ایک مخصوص پروگرام اور لائحہ عمل کی علمبردار بن کر اٹھی تھی اور اپنے قیام کے وقت سے لے کر چھ سات سال تک وہ نہ صرف یہ کہ اپنے اس طریق کار پر خود سختی کے ساتھ عمل پیرا رہی بلکہ اپنے مخصوص نقطہ نظر سے دوسری ہمعصر تحریکوں اور جماعتوں پر شدید تنقید بھی کرتی رہی ـــ لیکن ۱۹۵۱ء میں کچھ حالات کی تبدیلی سے مغالطہ کھا کر اور کچھ اپنی طاقت کے بارے میں غلط اندازوں کی بنا پر اس نے اپنے طریق کار میں بنیادی تبدیلی کر دی۔ یہ تبدیلی اگرچہ انتہائی اہم اور بنیادی نوعیت کی تھی لیکن ابتداءً ایسی غیر محسوس تھی کہ عام ارکان تو کجا جماعت کے سوچنے سمجھنے والے لوگ بھی اس کے دور رس اثرات کا اندازہ نہ کر سکے! لیکن رفتہ رفتہ جب اس کے نتائج عالم واقعہ میں رونما ہونے شروع ہوئے تو اوّلاً اس کے اہل علم و فکر حضرات کی ایک بڑی تعداد اور پھر اس کے عام ارکان اور کارکنوں کی بھی ایک اچھی بھلی تعداد نے محسوس کر لیا کہ ہم ایک غلط موڑ مڑ آئے ہیں۔ جماعت کی صفوں میں اس احساس نے اتنی شدت اختیار کی کہ اس کی مرکزی مجلس شوریٰ مجبور ہو گئی کہ ایک ایسی جائزہ کمیٹی کا تقرر کرے جو عام ملک میں گھوم کر مختلف نقطہ ہائے نظر سے واقفیت حاصل کر کے مجلس کے سامنے رپورٹ پیش کرے۔ اس جائزہ کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی اس نے مرکزی مجلس شوریٰ کو اس قطعی نتیجے تک پہنچا دیا کہ جماعت غلط رخ پر چل پڑی ہے اور اب خیریت اسی میں ہے کہ اس طریق کار کو تبدیل کر دیا جائے۔ بدقسمتی سے جماعت کے 'قائدِ اعلیٰ' نے اسے اپنے اوپر عدم اعتماد کے اظہار کے مترادف سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے شوریٰ کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ لیکن شوریٰ کے گھٹنے ٹیکنے پر وہ اس پر آمادہ ہو گئے کہ جماعت کے امیر بھی رہیں گے اور اس کے رخ کو تبدیل بھی کر دیں گے۔ چنانچہ ایک مصالحتی قرارداد پر دستخط کر کے دو دن میں اراکین شوریٰ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے ـــ لیکن اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس

کے فوراً بعد کس نوعیت کا ردِّ عمل ان پر طاری ہوا کہ اوّلاً انہوں نے ارکان جائزہ کمیٹی پر "نادانستہ سازش" کا الزام لگا کر ان سے استعفے طلب فرما لیے۔ اور جب جماعت کی ایک مقتدر شخصیت نے ان کے اس اقدام کے جواز کو چیلنج کیا تو خود ـــ 'علی الاعلان' ـــ امارتِ جماعت سے مستعفی ہو کر انتہائی مظلومیت کا سوانگ رچا لیا۔ اس پر جماعت میں ایک ہنگامی صورتِ حال طاری ہو گئی جس سے متاثر ہو کر پہلے 'مرکزی شوریٰ' نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور پھر عام ارکانِ جماعت نے بھی اس حال میں کہ ایک طرف ان کے سروں پر امیر کے استعفے کی تلوار لٹک رہی تھی اور دوسری طرف کچھ مخلص مصالحت کنندگان نے اختلاف کرنے والے اہم لوگوں کی منت سماجت اور خوشامد درآمد کر کے ان کو بعض وعدوں کی بیڑیوں میں جکڑ دیا تھا ـــ امیر جماعت کی اختیار کردہ پالیسی کی توثیق کر دی ـــ اس شاندار 'فتح' کے نشے میں سرشار ہو کر ـــ 'قائدِ تحریکِ اسلامی' ـــ نے ایک نئی چومکھی جنگ چھیڑ دی۔ ایک طرف انہوں نے جماعت میں اختلاف کرنے والوں پر "ضعفِ ارادہ بسیط" اور "ضعفِ ارادہ مرکب" کی پھبتیاں کسیں۔ دوسری طرف ـــ 'جماعت' ـــ اور ـــ 'تحریک' ـــ کا فرق واضح فرما کر اپنے لیے بحیثیت قائد تحریک اسلامی ان اختیارات کا مطالبہ کیا جو کسی ملک کی حکومت کے سربراہ کو زمانہ جنگ میں حاصل ہوتے ہیں۔ تیسری طرف انہوں نے یہ انکشاف فرمایا کہ توحید، معاد اور رسالت کے بنیادی اصولوں کو چھوڑ کر دین کے تمام احکام میں لچک موجود ہے اور تحریک اسلامی کے قائد کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ وقتی مصالح اور حکمتِ عملی کے تحت دین کے احکام میں عارضی طور پر ردّ و بدل کر دے ـــ اور چوتھی جانب انہوں نے یہ فلسفہ پیش فرمایا کہ 'واقعی' اور 'کاغذی' شخصیتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہم پر تنقید کرنے والے خبردار رہیں کہ ہم ان کی محبوب ترین شخصیتوں تک کے کاغذی پیراہن اتار کر انہیں دکھا سکتے ہیں کہ وہ بھی ہم سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہ تھے ـــ اختلاف کرنے والے تو یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر مایوس ہوتے اور ایک ایک کر کے جماعت سے کٹتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ جماعت اپنی 'صفِ دوم' سے تقریباً محروم ہو کر رہ گئی ـــ لیکن جماعت کے عام ارکان، کچھ اس بنا پر کہ ان کا سارا علم و فہم خود اسی قائدِ تحریکِ اسلامی کا عطا کردہ تھا ـــ اور کچھ اس وجہ سے کہ اور کوئی راستہ بھی نظر نہ آ رہا تھا، مجبوراً ان نظریات کو دل و دماغ میں اتارتے چلے گئے۔

اور اس طرح ایک 'نئی جماعت' وجود میں آئی جس میں ایک طرف تمام اختیارات امیر کی ذات میں مرتکز ہو گئے۔ اور دوسری طرف صرف اسی کی فراست اور مصلحت بینی و حکمتِ عملی جماعت کی پوری پالیسی کا واحد منبع قرار

پائی — گویا دورِ جدید کی مذہبی آمریتوں میں ایک کا اضافہ ہو گیا —!!

مارشل لاء کے دور میں تقریباً تین سال "زیرِ زمین" رہنے کے بعد جب یہ "نئی جماعت" برسرِ کار ہوئی تو ان نئے فلسفوں کا ظہور عالمِ واقعہ میں ہونا شروع ہوا — اور دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ جماعت جو توحید پرستی میں اچھے اچھے موحّدوں اور ردِّ بدعت میں اتباعِ سنت کے بڑے بڑے علمبرداروں کو پیچھے چھوڑ گئی تھی اس نے عوام کی توجہات کو اپنی جانب منعطف کرنے کے لئے غلافِ کعبہ کی "سبیل" رچائی — جنہوں نے ۱۹۵۱ء میں پنجاب کے انتخابات کے موقع پر دوسری جماعتوں کے ساتھ اتحاد و تعاون سے اس بناء پر انکار کیا تھا کہ ہمارے اصول مختلف ہیں — انہوں نے پہلے مرحوم حسین شہید سہروردی کے ساتھ صحبت کی پینگیں بڑھائیں اور بالآخر "متحدہ محاذ" میں شرکت فرمائی — اور صالح تر اسلاف کو "کعبے کے بتوں" کے القاب سے نوازنے والے اہلِ قلم نے ان کے نسبتاً آزاد خیال اخلاف کی مہمان نوازیوں کے صلے میں ان کی مدح سرائی اور ثناخوانی شروع کر دی —!!

غرضیکہ یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہو گئی کہ جماعتِ اسلامی کے نام سے شخصِ مودودی کا جو ظہورِ خارجی پاکستان میں موجود ہے اس کو اس اصل تحریک کے ساتھ سوائے نام کے اور کوئی مناسبت باقی نہیں رہی جس کو لے کر ابتداءً جماعتِ اسلامی اٹھی تھی۔

یہ باتیں اگرچہ بہت تلخ ہیں مگر ہیں مبنی برحقیقت۔ ان میں سے کچھ کی تفاصیل "نقضِ غزل" کی چند اقساط میں ناقابلِ تردید شواہد کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں۔ باقی کی تفصیلات بھی جب بیان ہوں گی تو مندرجہ بالا حقائق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائیں گے۔ ہم نے جب "فاران" کے تبصرے پر تنقید کا سلسلہ بند کیا تھا تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ ابھی صرف وہ بیان شائع ہوا ہے جو آج سے دس سال قبل لکھا گیا تھا۔ اس کی تحریر کے بعد جو واقعات و حوادث رونما ہوئے، جو نئے فلسفے ایجاد کئے گئے اور پھر ان کے طفیل جماعتِ اسلامی کی عملی سرگرمیوں نے جو رُخ اختیار کیا — ان سب کو مرتب و مدوّن حالت میں منظرِ عام پر لانا ابھی باقی تھا۔ لہٰذا بہتر یہی نظر آیا کہ پہلے پوری بات سامنے آ جائے اس کے بعد ہی ناقدین و مبصرین کے جانب التفات مفید ہوگا۔

مندرجہ بالا پس منظر میں اوّلاً ہم چوہدری صاحب (اور ان کے ہم خیال حضرات) کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خود غور فرمائیں کہ ایک ایسا شخص جس نے شعور کی آنکھ جماعتِ اسلامی کے دامن میں کھولی، اور

زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنے بیشتر اوقات اور بہترین صلاحیتوں کو اس تحریک کی سرگرمیوں میں صرف کیا — پھر جب اس نے جماعت کے رُخ کی غلطی کو محسوس کیا تو ایک مفصّل اور مدلّل تحریر کے ذریعے اس کو واضح کیا اور سخت حوصلہ شکن حالات اور اشتعال انگیز ماحول کے باوجود جماعت کے عام ارکان کے سامنے بھی اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی — اور جو آج بھی موجودہ جماعتِ اسلامی کو ہر اعتبار سے برسرِ غلط اور دین و دنیا دونوں کے لیے مضر سمجھنے کے باوجود اس رائے پر قائم ہے کہ اس کی ابتداء اپنی تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے باوصف مجموعی طور پر ایک صحیح اسلامی تحریک کے خدوخال رکھتی تھی — جس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ پھر اسی اصل تحریک کا احیاء ہو جسے لے کر جماعتِ اسلامی اٹھی تھی — اور جو اس امر کی کوشش کرنا چاہتا ہے کہ جو لوگ مختلف اوقات میں اس جماعت سے مایوس ہو کر علیحدہ ہوتے گئے وہ بھی اور جو اب اس کی غلط روی پر متنبہ ہو جائیں وہ بھی مل کر کوشش کریں کہ انہی خطوط پر از سرِ نو جدوجہد شروع کی جائے جن پر جماعتِ اسلامی کی تاسیس ہوئی تھی — کیا اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے ماضی اور جماعت کے حال سے بالکل صرفِ نظر کرے ؟

قطع نظر اس سے کہ جب خود جماعتِ اسلامی کی ابتداء ہوئی تو اس کی بےلاگ تنقید نے تو اپنے ہم عصروں پر بھی بس نہ کی تھی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر جماعتِ مجاہدینؒ تک کسی تجدیدی کوشش کو نہ چھوڑا تھا — سیدھی سی بات یہ ہے کہ کسی بھی کام کی ابتداء خلا میں نہیں ہو سکتی۔ اس ملک میں جماعتِ اسلامی نے دین کا ایک خاص تصوّر اور احیاءِ دین کا ایک خاص لائحۂ عمل پیش کیا، پھر ہزاروں انسانوں کی زندگیوں کو عملاً اس نے اپنی لپیٹ میں لیا اور لاکھوں ذہنوں پر اپنے اثرات قائم کیے۔ پھر جب اس کی قلبِ ماہیت ہوئی تو جہاں سینکڑوں مخلص اور فعال لوگوں پر سخت مایوسی طاری ہوئی، وہاں اس کے نئے فلسفوں اور جدید سرگرمیوں نے اس سے منسلک ہزاروں مخلص لوگوں کے ذہنوں کو مسموم اور عام طور پر ملک کے سوچنے سمجھنے والوں کو دین اور اس کے علمبرداروں کی طرف سے سخت بدظن کر کے رکھ دیا تو کیسے ممکن ہے کہ یہاں دین کا کوئی کام اور وہ بھی ایسا جو جزوی نہ ہو بلکہ انہی ہمہ گیر خطوط پر ہو جن پر جماعت نے ابتداءً کام شروع کیا تھا بغیر اس کے شروع کیا جا سکے کہ جماعت کے ماضی اور حال پر مفصّل تبصرہ ہو۔ غلطیوں کی متعین طور پر نشان دہی کی جائے۔ تصوّرِ دین میں کوئی خامی تھی تو اس کو واضح کیا جائے اور لائحۂ عمل میں غلطی تھی تو اسے متعین کیا جائے اور گرتے ہوئے حوصلوں کو پھر سے سہارا دے کر تعمیرِ نو پر آمادہ کیا جائے! حیرت ہوتی ہے کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والے لوگ اگر اس ہمہ گیر کام کو چھوڑ کر خاموشی سے کسی جزوی خدمت میں لگتے ہیں تو طعنے دیے جاتے ہیں کہ بس یہی حوصلے تھے — ان حقیر سے جزوی کاموں میں کھپ کر رہ گئے! — کیوں نہیں دین کا وہی

ہمہ گیر کام کرتے جسے حق جان کر جماعت میں شمولیت اختیار کی تھی! — اور اب اگر ایک کوشش اقامت دین کی اس جامع اور ہمہ گیر تحریک کے احیاء کی کی جا رہی ہے جسے کہ جماعت اسلامی اٹھی تھی تو وہ لوگ جو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ سے لے کر جماعت مجاہدین رحمۃ تک کے تمام صلحائے امت اور مجددین دین کے کارناموں پر تنقید کو ایک 'علمی کارنامہ' سمجھ کر — 'تلاوت' — کرتے ہیں۔ وہ جماعت اسلامی اور اس کے امیر کو ان کے اپنے ماضی کی روشنی میں اور ان کے اپنے بیان کردہ اصولوں کی کسوٹی پر پرکھنے کی پہلی کوشش پر بوکھلا اٹھے ہیں! — ع

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا!!

شاید آپ یہ کہیں کہ — 'یہ منہ اور مسور کی دال' — کہاں تم اور کہاں احیاء تحریک جماعت اسلامی! تو بھی ہم گزارش کریں گے کہ یوں ہی سہی! لیکن یہ تو آپ کو بھی تسلیم ہوگا کہ جماعت اسلامی اسلامیان ہند و پاک کی تاریخ کا بھی ایک اہم جزو ہے اور پورے عالم اسلامی کی اس صدی کی تجدید و احیائے دین کی تحریکوں میں بھی ایک خاص مقام رکھتی ہے! — تو اس کا ماضی و حال کم از کم ایک تاریخی مسئلہ تو ہے! — پھر کیا یہ ایک تاریخی واقعہ نہیں ہے کہ اس کے ارباب حل و عقد میں پالیسی کے بارے میں ایک شدید اختلاف ہوا جس کے نتیجے میں اس کے نمایاں اور معروف اہل علم و قلم کی بڑی تعداد اس سے علیحدہ ہو گئی۔ تو پھر سوچئے کہ اگر اس دلیل کے تحت کہ جنگ جمل اور جنگ صفین بہرحال تاریخی واقعات ہیں اور خلوص اور نیک نیتی کی بڑی سے بڑی مقدار بھی انہیں تاریخ کے صفحات سے مٹا نہیں سکتی۔ علمی تحقیق کے نام پر اپنے ذوق تنقید کی ترکتازیوں کو حضرت عمر بن عبد العزیز سے آگے بڑھا کر خلافت راشدہ کے عین قلب تک پہنچایا جا سکتا ہے تو کیا پوری اسلامی تاریخ میں ایک مولانا مودودی کی شخصیت ہی اتنی مقدس رہ گئی ہے کہ ان کے انتہائی غلط اور مہلک ترین اقدامات پر بھی زبان تنقید دراز کی جا سکے۔

خود غور فرمایئے کہ جسے آپ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف 'مہم' قرار دے رہے ہیں۔ وہ فی الواقع ہے کیا؟ — راقم الحروف نے ابتدا اپنے اس بیان کی اشاعت سے کی ہے جو اس نے بحیثیت رکن جماعت تحریر کیا تھا اور جس کی سطر سطر اور حرف حرف سے جماعت اور اس کے مقصد سے محبت ٹپکی پڑ رہی ہے۔ — دوسروں کی بات جانے دیں کہ آپ شاید اس اصول کے تحت کہ — 'جو ہمارے ساتھ نہیں وہ ہمارا دشمن ہے' — جماعت سے باہر کے ہر شخص کو — 'جانبدار' — قرار دیتے ہیں، اس

کے بارے میں جماعت اسلامی ہند کے ترجمان ماہنامہ "زندگی" کے ایڈیٹر صاحب نے یہ اعتراف کیا کہ

"اس کا پہلا امتیاز یہ ہے کہ اس میں دس سال پہلے تک کی جماعت اسلامی پاکستان کا ایک مکمل جائزہ سنجیدگی اور دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ فاضل مصنف نے جماعت اسلامی قبل از تقسیم ہند کے موقف کی مکمل تائید کی ہے۔ تیسرا امتیاز یہ ہے کہ جو زبان انہوں نے استعمال کی ہے اس میں جارحیت کم اور سوقیت بالکل نہیں ہے اور اس کا چوتھا امتیاز یہ ہے کہ فاضل مصنف جماعت اسلامی پاکستان کو پھر اسی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں جو تقسیم سے پہلے تھا اور وہ خود اسی نصب العین کے حصول کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں جسے انہوں نے پورے شعور کے ساتھ اختیار کیا تھا۔"

اس کے بعد 'میثاق' میں — 'نقض غزل' — کے تحت صرف وہ واقعات ایک تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں جن کے باعث جماعت ایک شدید انتشار کا شکار ہوئی اور جن کے نتیجے میں جماعت کی ماہیت ہی بدل کر رہ گئی۔ یہ واقعات نہ گھڑ لیے گئے ہیں اور نہ کہیں باہر سے لے گئے ہیں، یہ آپ ہی کی تاریخ کا ایک گم شدہ باب ہیں جنہیں آپ نے جان بوجھ کر فراموش کر دیا۔ آپ کی — 'روداد' — کے اس غیر مطبوعہ — 'حصے' — کو منظر عام پر لانا اول تو ایک تاریخی خدمت ہے کہ جب لوگ تحریک جماعت اسلامی کی ناکامی اور اس کے افسوسناک انجام پر غور کریں اور اس کے اسباب کا کھوج لگائیں تو ان کے سامنے آپ کی مطبوعہ رودادوں میں پیش شدہ مواد کے ساتھ ساتھ تصویر کا یہ دوسرا رخ بھی آ جائے اور وہ صحیح تر نتائج تک پہنچ سکیں — ورثانیاً اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ حق بحقدار رسید! — والا معاملہ ہو اور اس انتشار کی ذمہ داری جس پر واقعتاً عائد ہوتی ہے اسی کے حساب میں محسوب ہو — تیغ زبانی معاف، آپ نے یہ دوہرا کھیل کھیلا کہ ایک طرف اپنے بہترین ساتھیوں اور جاں نثار رفیقوں کو صرف اس جرم کی سزا میں کہ انہوں نے آپ سے اختلاف کی جرأت کی تھی، انتہائی ہوشیاری کے ساتھ اس پر مجبور کر دیا کہ وہ جماعت سے علیحدہ ہو جائیں اور پھر اپنے حلقے میں ان کی بدترین صورت پیش کر کے اور انتہائی گھناؤنے الزام لگا کر سارا الزام بھی ان ہی کے سر تھوپ دیا۔ جماعت کے ادیب اعظم نے — "ضعف ارادہ مرکب" — کی تصویر کشی سے جو سلسلہ شروع کیا تھا اور جسے اس کی صف سوم کے ادیبوں نے افسانوں اور ڈراموں کی شکل میں آگے بڑھایا وہ بالآخر اس کے عام تنخواہ دار کارکنوں کی طرف سے انتہائی گھٹیا اور — 'مفتیانہ' — انداز میں پھیلائی ہوئی ان خبروں تک پہنچا کر فلاں حکومت کا خریدکردہ ہے — اور فلاں گورنمنٹ کا ایجنٹ!

فلاں کو اس کی خدمات کا یہ صلہ ملا ہے اور فلاں نے یہ مفادات حاصل کئے ہیں۔ باقی یہ باتیں تو بالکل معمولی تھیں ہی کہ فلاں سازشی اور فتنہ پرداز ہے اور فلاں جذباتی اور مشتعل مزاج۔ رہے فلاں تو وہ تو نرے سادہ لوح اور بہکاتے میں آجانے والے ہیں ہی ـــ مسلسل دس سال تک آپ کے فعال کارکن یہ باتیں غافل لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ اب پہلی بار اگر اصل صورت حال سامنے آرہی ہے کہ غلطی کس کی تھی اور کس کی ضد اور ہٹ نے اس شیرازے کو منتشر کیا ـــ اور واقعۃً کون جذباتی اور مشتعل مزاج تھا ـــ اور نکلنے والوں نے غلطی کی بھی تو اس کی اصل نوعیت کیا تھی تو آپ اسے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف ایک 'مہم' کا نام دے رہے ہیں۔ کاش کہ آپ انصاف سے کام لے سکیں!

آپ کا یہ سوال بڑا اہم ہے کہ کیا ہماری رائے میں جماعت اسلامی "فتنہ" ہے، اور اگر ہے تو کیا دوسرے فتنوں کی سرکوبی ہو چکی ہے کہ ہم اب اسی کے پیچھے پڑ گئے ہیں ـــ اس سلسلے میں ہماری اولین گزارش تو یہ ہے کہ ہمارے نزدیک جماعت اسلامی 'بالقوۃ' (POTENTIALLY) یقیناً ایک فتنے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اگرچہ فی الواقع (PRACTICALLY) کوئی بڑا اور مؤثر فتنہ برپا کرنے کی صلاحیت اس میں موجود نہیں ہے! ـــ دین میں حکمت عملی کا جو 'نیا' مقام اس نے تجویز کیا ہے وہ اپنی فتنہ انگیزی میں دوسرے ہم عصر فتنوں سے کسی طرح کم نہیں ـــ بلکہ اس اعتبار سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ ماضی میں اس کے علمبردار دین کے معاملے میں ایک قابل اعتماد حیثیت کے مالک رہے ہیں۔ عوام کیلئے اس فتنے کی ہلاکت آفرینی اگرچہ اس بنا پر بہت کچھ کم ہو چکی ہے کہ اس پر ایک 'نہایت' زوردار تنقید بروقت ہو گئی اور اس کے پیش کرنے والے کو اپنے اولاً پیش کردہ نظریے سے بہت کچھ رجوع اور بالآخر بات کو گول مول کرتے ہی بنی ـــ تاہم جماعت کے دست و بازو یعنی اس کے ارکان اور کارکنوں نے چونکہ ان بعد کی تاویلات کو بھی 'حکمت عملی' ہی کی کارفرمائی سمجھ کر اصل نظریے کو جوں کا توں حرز جاں بنا لیا ہے لہٰذا جماعت کے محدود حلقے میں یہ فتنہ ابھی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے ـــ تاہم اس کی بھی اس بنا پر زیادہ اہمیت نہیں ہے کہ جماعت کی قوت تاثیر و نفوذ ختم ہو چکی ہے۔ یہ تو بہت پہلے کی بات ہے کہ جماعت کے ایک چوٹی کے لیڈر نے صاف بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ـــ "دینی حلقوں میں ہم بہروپئے مشہور ہیں اور سیاسی حلقوں میں چغد!" ـــ اب تو معاملہ اس سے بہت آگے نکل چکا۔ پہلے سیاسی لوگ کم از کم آپ کی دینداری کے قائل تھے اور دینی حلقے کم از کم آپ کی سیاسی

جمعیت سے مرعوب تھے۔ اب ان دونوں کا بھی پول کھل چکا۔ آپ کے اخلاقی وقار کو "[illegible]" والے انتشار نے ختم کر دیا تھا۔ دین کو بازیچۂ حکمت عملی بنا کر آپ اپنا دینی وقار ختم کر چکے اور پچھلے مرکزی و صوبائی انتخابات کے مایوس کن نتائج کے بعد آپ کی تنظیمی قوت کا سحر بھی ٹوٹ چکا!

رہی یہ بات کہ دوسرے فتنوں کو چھوڑ کر ہم آپ ہی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں تو اولاً یہ بات ہی غلط۔ ہم نے آپ کے خلاف ہرگز کوئی مہم جاری نہیں کی۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے محض کچھ واقعات کا اظہار کیا ہے اور وہ بھی صرف مثبت تعمیری غرض سے ـــ لیکن پھر بھی اگر آپ اس پر مصر ہیں تو گزارش ہے کہ ع "ہر کسے را بہر کارے ساختند" ـــ اور ـــ "ہر فرعونے را موسیٰ" ـــ جماعت اسلامی اگر واقعی کوئی فتنہ بن گئی ہے تو اس کے استیصال کی ذمہ داری بھی اولاً انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے خون جگر سے اس پودے کو سینچا تھا اور جو بقول آپ کے ۲۰ برسوں تک جماعت اسلامی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اپنی بساط کے مطابق پوری کوشش کرتے رہے تھے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ مولانا مودودی کے نظریۂ حکمت عملی پر محققانہ تنقید کر کے مولانا امین احسن اصلاحی نے درحقیقت اپنی اٹھارہ سالہ رفاقت ہی کا حق ادا کیا ہے ـــ! (ـــ کاش کہ آپ لوگ سمجھ سکتے کہ اس کے ذریعے مولانا اصلاحی صاحب نے اس زمانے میں نہ صرف دین بلکہ خود مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی کتنی بڑی خدمت کی ہے ـــ!) ویسے یہ بھی ایک مسلمہ اصول ہے کہ کسی جماعت یا گروہ میں جب فتنے کا آغاز ہوتا ہے تو ابتداء ہی اسے اس جماعت یا گروہ کے اندر یا اس کے قریب کے لوگ ہی اگر توفیق پائیں تو محسوس کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسی مرحلے میں فتنے کا استیصال بھی ممکن ہوتا ہے۔ باہر کے لوگ تو اس فتنے کی جانب متوجہ ہی اس وقت ہوتے ہیں جب کہ وہ پوری طرح برگ و بار لا چکتا ہے اور اس کا کلی استیصال بہت مشکل بلکہ اکثر و بیشتر ناممکن ہو جاتا ہے ـــ! بنا بریں جماعت اسلامی کی غلطیوں اور اس کی فکری و عملی گمراہیوں پر تنقید کو ہم اپنا حق ہی نہیں بلکہ فرض اور ذمہ داری سمجھتے ہیں ـــ بلکہ اس سے بڑھ کر ہمارے نزدیک قدیم رفاقت کے حقوق اس کے متقاضی ہیں!

رہی مکے اور مدینے والی بات تو قطع نظر اس سے کہ وہ بہت پرانی ہو چکی ـــ اور بات اب اس سے بہت آگے نکل آئی ہے۔ مجرد اس اختلاف پر جماعت اسلامی سے شاید کوئی ایک شخص بھی علیحدہ نہ ہوتا۔ بنائے نزاع بالکل دوسری باتیں ہیں ـــ ہم آپ سے صرف ایک سوال کرنا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی

جماعت اسلامی کی تحریک مکے سے ہجرت کرکے مدینے پہنچ چکی۔ کیا اس وسیع و عریض ملک کے کسی ایک شہر یا اس کے کسی محلے، حتیٰ کہ اس بستی میں جس میں آپ کا مرکز بیس سال سے قائم ہے آپ کو وہ مقام حاصل ہو چکا ہے جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی دن مدینہ منورہ میں حاصل ہو گیا تھا —؟ اگر نہیں ہوا اور ظاہر ہے کہ مستقبل بعید میں بھی اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا — تو ان بھولی باتوں سے کیا حاصل ہے —!

(۲)

آج کی صحبت میں چند گزارشات ہم محترم مدیر 'زندگی' — کی خدمت میں بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب 'تحریک جماعت اسلامی' — جماعت اسلامی کے کسی پرچے کو بغرض تبصرہ نہیں بھیجی تھی۔ البتہ جماعت کے بزرگوں میں سے جن جن سے تعلق خاطر تھا ان کو بطور ہدیہ ارسال کر دی تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ ع "میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں" — لیکن جب محترم مدیر 'زندگی' — کا خط موصول ہوا کہ "میں نے آپ کی کتاب پڑھی ہے اور اس سے متاثر ہوا ہوں۔ میں اس پر تبصرہ بھی کرنا چاہتا ہوں" — تو حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ ع — "ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں!" — لیکن جب 'زندگی' — میں تبصرہ پڑھا تو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ چند ایک سطحی سے 'اعتراضات' — کے بعد اصل مسئلہ یہ کہہ کر بالکل گول کر دیا گیا کہ —

"اب اس وقت فاضل مصنف کی حیثیت ایک فریق کی ہے اس لیے جب تک دوسرے فریق کا بیان بھی اسی تفصیل سے سامنے نہ ہو کسی غیر جانبدار کے لیے دونوں کے درمیان منصفانہ محاکمہ کرنا ممکن نہیں ہے اور جہاں تک تبصرہ نگار کا تعلق ہے وہ محاکمے کو مفید بھی نہیں سمجھتا۔"

ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل بودی اور پھسپھسی ہے۔ اولاً تو جب اس کتاب کے بنیادی موضوع پر رائے دینے کو تبصرہ نگار مفید نہیں سمجھتا تھا تو اس پر تبصرہ کرنے کی ایسی کون سی شدید حاجت اسے لاحق ہوئی تھی۔ ثانیاً یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے کہ فریق ثانی کا بیان موجود نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اصل دعویٰ تو اب شائع ہوا ہے جبکہ جواب دعوے — "اسی تفصیل" سے نہیں بلکہ اس سے زیادہ تفصیل سے دس سال سے شائع شدہ موجود ہے — تاہم اس خیال سے کہ اگر مدیر 'زندگی' — کسی وجہ سے کوئی واضح بات کہنے سے بچنا چاہتے ہیں تو خواہ مخواہ انکو کیوں مجبور کیا جائے ہم نے انکے تبصرے سے کوئی تعرض نہ کیا اور اس کا صرف پہلا اور آخری پیراگراف 'میثاق' میں نقل کر دیا۔ تاہم طور پر اسے بھی کہ آخری پرچے میں انہوں نے راقم الحروف کی وساطت سے

جو بات جماعت سے علیحدہ ہونے والے لوگوں سے کہی تھی اسے ہم بھی درست سمجھتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی آمریت نے پردہ چند تعریفی کلمات بھی سخت ناگوار گزرے جو مدیر 'زندگی' — نے کتاب کے اسلوب اور طرز بیان کے بارے میں لکھ دیئے تھے — 'مشتے نمونہ از خروارے' کے طور پر وہ مکتوب ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جو 'زندگی' کے تازہ پرچے میں شائع ہوا ہے اور جس کے جواب میں مدیر 'زندگی' — نے اپنی گزشتہ جسارت کی تلافی کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ یہاں ہم ان مکتوب نگار صاحب سے تو الجھنا نہیں چاہتے البتہ مدیر 'زندگی' کی خدمت میں ہم ان ہی کے اس قول کو — "ہم میں سے ہر شخص کو خدا کے سامنے اپنے قول و فعل کا حساب دینا ہے" — کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اس بات کی تصحیح بھی کرنا چاہتے ہیں کہ "یہاں کسی کی حمایت یا مخالفت آخرت کے انجام پر اثر انداز نہیں ہوگی" — اس لیے کہ یہاں کسی کی بے جا حمایت یا ناجائز مخالفت لازماً آخرت کے انجام پر اثر انداز ہوگی — اور جائز حمایت اور خلوص نیت کے ساتھ لوجہ اللہ مخالفت لازماً موجب ثواب ہوگی — (مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ) اور یہ بھی یاد دلانا چاہتے ہیں کہ خدا کے حضور میں ہر شخص کو انفرادی طور پر پیش ہونا ہے (وَ کُلُّھُمْ اٰتِیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَرْدًا) — یہ جماعتیں اور گروہ بندیاں سب یہیں رہ جائیں گی اور ان کی مصلحتوں اور مفادات کی خاطر اپنے ضمیر کے خلاف کہی اور لکھی ہوئی باتوں کا جواب افراد کے ذمے رہ جائیگا۔

'راقم الحروف نے "نقض غزل" — کے عنوان سے جو کچھ لکھ رہا ہے اس کی اہمیت اور ضرورت آپ کی ہی حالیہ معذرت خواہانہ تحریر سے ظاہر ہوتی ہے۔ "جماعت اسلامی پاکستان سے نکلنے والے دو نمایاں افراد" کا تذکرہ خود آپ نے جس "غصے، جھنجھلاہٹ، جارحیت، جوش انتقام اور سوقیت" کے ساتھ کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحیح واقعات سامنے نہ ہونے کی وجہ سے اور صرف یک طرفہ بیان حال کی بنا پر جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کی طرف سے کیسا زہر آپ حضرات کے دلوں میں گھل گیا ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ کیا آپ کی یہ بات کہ "ان کی تحریروں سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پوری جماعت میں ان کی ذات ہدایت کا منارہ تھی اور جب وہ نکل آتے تو اس میں گمراہی اور تاریکی کے سوا کچھ باقی نہ رہا" جوں کی توں آپ پر نہیں الٹی جا سکتی کہ آپ لوگوں کے طرز عمل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہر شخص جب تک جماعت میں رہے، ہدایت کا منارہ ہوتا ہے اور جب اس سے نکل جائے تو دفعتہً اس کا سارا نور سلب ہو جاتا ہے اور وہ سراپا تاریکی بن جاتا ہے — لیکن اس الٹ پھیر سے قطع نظر ہم صرف یہ سوال آپ سے کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی پاکستان میں جو کچھ

ہوا کیا اس کے بارے میں مکمل معلومات اور طرفین کے بیانات آپ کے پاس موجود ہیں کہ آپ ایسے قطعی اور حتمی فیصلے صادر فرما رہے ہیں! اگر نہیں تو پھر آپ خود غور فرمائیں کہ آپ کے اس طرزِ عمل کی کیا توجیہہ آپ کے پاس ہے!

آپ نے 'تحریک جماعت اسلامی' پر تبصرے میں بھی یہ مہمل بات کہی تھی اور اب پھر اس کا اعادہ کیا ہے:—

"اس کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی پاکستان کے ذمہ داروں کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں کہ اگر اس کتاب میں جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ دس بیس فیصد بھی صحیح ہوں تو انہیں ان پر غور کرنا چاہیئے"

اس کتاب میں واقعات یا الزامات کی نوعیت کی کوئی ایک چیز بھی نہیں ہے۔ وہ تو طریق کار اور پالیسی کا تجزیہ ہے جو ناقابل تردید شواہد اور جماعت کے اپنے لٹریچر کے حوالوں سے کیا گیا ہے۔ اسمیں فی صد کا کیا سوال ہے —— وہ یا صحیح ہے یا غلط اور اسی کے محاکمے کی ذمہ داری سے آپ نے اپنے آپ کو بچا لینا مناسب سمجھا تھا! — حالیہ تحریر میں آپ نے انحراف کو تسلیم کرنے سے مجملاً انکار کرکے جان بچانی چاہی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سے آپ کی اصل مراد کیا ہے۔ "تاہم ہم آپ کو وضاحت پر مجبور نہیں کرنا چاہتے۔ یہ آپ کے ضمیر کا معاملہ ہے۔ آپ جانیں اور آپ کا رب! البتہ 'نقض غزل' — میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں فی صد کا حساب ہو سکتا ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ ان واقعات کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں "جماعت اسلامی پاکستان کے ذمہ داروں" سے استفسار کرتے —— لیکن اب اس کا کیا علاج ہے کہ اس معاملے میں آپ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں کہ — "اس کا بڑا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کو مطعون کیا جائے اور لوگوں کی نظر میں ان کی وقعت کم کی جائے"! — کاش کہ اس ضمن میں جو وضاحت ہم نے چوہدری محمد اکبر صاحب کے مکتوب کے جواب میں کی ہے اس پر آپ جماعتی عصبیت سے بلند ہو کر غور فرما سکیں!

رہا آپ کا یہ اندیشہ کہ ہماری ان تحریروں سے پاکستان میں اسلامی محاذ کمزور ہو رہا ہے اور پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے مقصد کو نقصان پہنچ رہا ہے تو جیسا کہ مفصل عرض کیا جا چکا ہے آپ بالکل مطمئن رہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام کسی درجے میں بھی جماعت اسلامی کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ آپ لوگ دور بیٹھے غالباً صرف جماعت کے اخبارات و رسائل کے دریچوں ہی سے پاکستان کے حالات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور بالکل غلط اندازے قائم کر رہے ہیں! اگر ذرا دقتِ نظر سے جائزہ

لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پاکستان کی تحریک اسلامی اپنے ہی مسیحا کی کرم فرمائی سے کبھی کی دم توڑ چکی ہے ؎ آج قدح بشکست و آں ساقی نماند!

(۳)

'نقض غزل' — کی گذشتہ قسط میں راقم الحروف کا جو خط شائع ہوا ہے بعض حضرات اس کے بعض الفاظ کو بالکل ظاہری مفہوم پر محمول کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے۔ کہ ماچھی گوٹھ کے اجتماع سے قبل راقم الحروف شدت کے ساتھ اس رائے کا حامل تھا کہ اس اجتماع میں اہلِ اختلاف کو اپنا اختلاف بالکل وضاحت کے ساتھ بلا کم و کاست پیش کر دینا چاہیئے اور وہ 'مصالحت' کی کسی بھی صورت کو سخت نقصان دہ سمجھتا تھا۔ اس سلسلے میں اس کے اور اس کے ہم خیال بعض دوسرے ارکان جماعت کے جذبات انتہائی شدید ہو گئے تھے — اسی شدتِ تاثر میں اس خط میں بعض جملے بہت سخت لکھے گئے۔ راقم الحروف آج بھی اپنے اسی موقف پر قائم ہے اور اختلاف رکھنے والے اہم حضرات نے جو طرز عمل اختیار کیا اسے غلط سمجھتا ہے۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ ان میں سے کسی کی نیت کے بارے کوئی سوء ظن نہ اس وقت تھا نہ آج ہے۔ ہم نہ صرف ان مصالحت کرنے والوں کے غایت خلوص کے قائل تھے بلکہ مصالحت کرانے والوں کی کوششوں کو بھی مبنی پر اخلاص ہی سمجھتے تھے اور آج تک سمجھتے ہیں — خود اس خط کا مجموعی تاثر بھی ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کے کاتب نے مصالحت کرنے یا کرانے والوں کی نیتوں کے بارے میں کسی بدگمانی میں مبتلا ہیں اور یہ بات وہاں بالکل غیر مبہم الفاظ میں واضح کر دی گئی ہے کہ مصالحت کا اصل محرک صرف یہ خواہش تھی کہ کسی طرح جماعت کو انتشار سے بچا لیا جائے —— یہ دوسری بات ہے کہ اس سے جو اندیشہ راقم الحروف کو تھا صحیح وہی نکلا اور انتشار تو نہ رکنا تھا نہ رکا۔ البتہ اہلِ اختلاف پر عام ارکان جماعت کی یہ حجت قائم ہو گئی کہ آپ لوگوں نے ماچھی گوٹھ میں ہمیں پوری صورت حال سے کیوں باخبر نہ کیا! —— ویسے بعد میں معلوم ہونے والے بہت سے حقائق و واقعات کی بنا پر راقم الحروف کو یہ تسلیم کرنے سے بھی انکار نہیں ہے کہ اس کے اور اختلاف رکھنے والے اہم اور نمایاں حضرات کے طرزِ عمل میں فرق دراصل جماعت میں ان کی پوزیشن اور مقام کے تفاوت کا نتیجہ تھا اور جس قسم کے اخلاقی دباؤ اور منت سماجت کا سامنا ان حضرات کو کرنا پڑا اگر ایسی صورت راقم الحروف کے ساتھ بھی پیش آتی تو شاید وہ بھی اپنے 'کھرے' بلکہ 'کڑے' موقف پر قائم نہ رہ سکتا۔

(۴)

اس شمارے سے نئے نظام کے تحت 'میثاق' کی دوسری جلد شروع ہو رہی ہے۔ پہلی جلد کی باقاعدہ

اشاعت پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور آئندہ کے لئے اسی سے توفیق کے طلبگار ہیں۔

اس سلسلے میں کچھ تعاون کا بوجھ ہم قارئین 'میثاق' پر بھی ڈالنے کی اجازت چاہتے ہیں ایک یہ کہ موجودہ احوال میں ہم مجبور ہیں کہ پرچے کی ضخامت کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھنے کے باوجود اس کی قیمت میں اضافہ کر دیں۔ چنانچہ قارئین نوٹ فرمالیں کہ اس شمارے سے قیمت فی پرچہ پچھتر پیسے اور سالانہ چندہ بجائے پانچ کے سات روپے ہوگا۔ جونہی حالات بہتر ہوئے اور میثاق کا حلقۂ اشاعت بڑھ گیا ہم ان شاء اللہ 'میثاق' کی ضخامت میں ایک کاپی کا مستقل اضافہ کر دیں گے چنانچہ دوسری درخواست قارئین 'میثاق' سے یہ ہے کہ وہ اس کے حلقۂ اشاعت کی توسیع میں ہمارا ہاتھ بٹائیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں نئے خریدار بنانے کی کوشش کریں

بقیہ "تقریظ و تنقید" یہی ہے کہ اپنے آپ کو حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بھی کہیں مگر انکے پیروؤں کو کافر قرار دیں اس لئے کہ وہ مرزا کے دعوی کو غلط جانتے ہیں۔ گویا تکمیل ایمان کی شرط مرزا پر ایمان ہے جسکا مطلب صاف ہے کہ ایمان کا ویٹو درحقیقت مرزا کے پاس ہے ـــ اس موقف کو گستاخی کی کونسی قسم قرار دیا جائے؟

مولانا ابو الحسن صاحب ندوی نے محولہ بالا کیفیت کو بڑے دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے۔ اور صدیہ ہے کہ اس مرحلے پر بھی عنانِ قلم کو سنبھالے رکھا ہے۔

مولانا نے لاہوری پارٹی کے موقف پر بھی روشنی ڈالی ہے اور مولوی محمد علی آنجہانی کا ذہنی تجزیہ کیا ہے کہ کس طرح ان کا ذوقِ تاویل انہیں کن نئی وادیوں میں لے گیا۔ قادیانی گروہ اپنے مسلک کے ضمن میں صاف گو تو ہے وہ مرزا کو کھلم کھلا نبی مانتا ہے۔ مگر لاہوری گروہ کا سربراہ ذوقِ تاویل میں مرزا کے بالکل صاف اور واضح کلمات دعوی کی صورت بھی کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ مولوی محمد علی کا یہی رویہ قرآن کریم میں بیان کردہ تقریباً ہر معجزے کے بارے میں ہے عجیب عجیب مضحکہ خیز کوڑیاں دور دور سے لائے ہیں ـــ بالفاظِ دیگر یہ گروہ وہ ہے جو نہ ادھر کا رہا نہ ادھر کا ہوا۔

آخر میں مولانا نے بڑے تحمل کے ساتھ مگر پر درد الفاظ میں بیان کیا ہے کہ دنیائے اسلام میں اس نئی تحریک کے باعث تشتت پیدا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی مرکزیت ختم کرنے کی سعی ہو رہی ہے۔ مکہ و مدینہ کا وہ مقام جو مسلمانوں کے دل میں ہے ان کے دل میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس تحریک کے سربراہ نے متوازی امت تخلیق کر کے اپنے گمراہ پیروؤں کی نگاہوں میں نئے شعائر کا پیشتر احترام پیدا کر دیا جس کے باعث ملت کے اجتماعی شعائر کا درجہ ثانوی ہو گیا بلکہ ثانوی بھی نہ رہا۔

غرضیکہ مختصر ہونے کے باوصف یہ کتاب قادیانیت کے نمایاں پہلوؤں پر اچھی خاصی روشنی ڈال دیتی ہے اور اس دور میں کہ وقت کی کمی ایک عام معذرت بن گئی ہے ایسی کتاب کی قدر و قیمت مزید بڑھ جاتی ہے لہٰذا عدیم الفرصت اہل شوق کے لئے یہ کتاب بطور خاص موزوں و مفید ہے۔ (م - م - م)

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

مقدمہ

★ ——————— (۴)

تفسیر قرآن بالقرآن

تیسری چیز جو اس تفسیر میں میں نے بطور اصول کے پیش نظر رکھی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن کی مدد سے کی جائے۔ قرآن نے خود اپنی تعریف کِتَابًا مُّتَشَابِهًا کے الفاظ سے کی ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا	اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، کتاب
مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ (۲۳ - زمر)	باہم دگر مشابہ، جوڑے جوڑے۔

اسی طرح یہ بات بھی قرآن نے بار بار واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی باتیں اور اپنی آیات مختلف شکلوں اور گوناگوں پیرایوں سے پیش فرمائی ہیں۔ اس کے لیے "تصریف" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی گردش دینے کے ہیں۔ اگر آپ قرآن کی تلاوت کیجیے تو آپ محسوس کریں گے کہ ایک ہی مضمون مختلف سورتوں میں بار بار سامنے آتا ہے۔ ایک مبتدی یہ دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ یہ ایک ہی مضمون کی تکرار ہے لیکن قرآن پر تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ قرآن حکیم تکرار محض سے بالکل پاک ہے۔ اس میں ایک بات جو بار بار آتی ہے تو بعینہٖ ایک ہی پیش و عقب اور ایک ہی قسم کے لواحق و تضمنات کے ساتھ نہیں آتی بلکہ ہر جگہ اس کے اطراف و جوانب اور اس کے تعلقات و روابط بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ مقام کی مناسبت سے اس میں مناسبِ حال تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ایک مقام میں ایک پہلو مخفی ہوتا ہے دوسرے مقام میں وہ واضح ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ اس کا اصلی رخ غیر معین ہوتا ہے دوسرے سیاق و سباق میں وہ رُخ بالکل معین ہو جاتا ہے۔ بلکہ میرا ذاتی تجربہ اور مدتوں کا تجربہ تو یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ایک آیت میں بالکل مبہم نظر آتا ہے دوسری آیت میں وہ بالکل بے نقاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ ایک بات کی دلیل سمجھ میں نہیں آتی لیکن دوسری جگہ وہ بالکل آفتاب کی طرح روشن نظر آتی ہے۔

قرآن کا یہ اسلوب ظاہر ہے کہ اسی مقصد کے لیے ہے کہ اس کی ہر بات طالب کے ذہن نشین ہو جائے۔ چنانچہ میں بطور تحدیث نعمت کے یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے واضح ہوئی ہیں دوسری کسی چیز سے بھی واضح نہیں ہوئی ہیں۔ میر انیس نے کہا ہے کہ ؎

ایک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

ممکن ہے یہ محض شاعرانہ مبالغہ آرائی ہو لیکن قرآن کے باب میں یہ بات بالکل حق ہے۔ ایک ایک بات اتنے گوناگوں و بوقلموں اسلوبوں سے سامنے آتی ہے کہ اگر آدمی ذہنِ سلیم رکھتا ہو تو اس کو پکڑ ہی لیتا ہے۔

اس تفسیر کو پڑھنے والے انشاء اللہ محسوس کریں گے کہ میں نے نہ صرف آیات کے نظم اور ان کی تاویل کے تعین میں اصل اعتماد قرآن ہی کے شواہد و نظائر پر کیا ہے بلکہ الفاظ و اسالیب کی مشکلات میں بھی بیشتر قرآن ہی سے استفادہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں لغت یا نحو کی کتابوں کے حوالے نہیں دے سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معانی و حقائق کی طرح قرآن کی ادبی و نحوی مشکلات کے حل کے لیے بھی سب سے زیادہ مستند مرجع و ماخذ ہے۔ اس حقیقت کو ہمارے پچھلے علما نے بھی تسلیم کیا ہے۔

خارجی وسائل

فہم قرآن کے خارجی وسائل میں سے جن جن چیزوں سے، جس نوعیت سے میں نے اس تفسیر میں فائدہ اٹھایا ہے اب مختصر طور پر ان کا تذکرہ کروں گا۔

سنت متواترہ و مشہورہ جہاں تک قرآن مجید کی اصطلاحات کا تعلق ہے، مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، عمرہ، قربانی، مسجد حرام، صفا، مروہ، سعی، طواف وغیرہ، ان کی تفسیر میں نے سو فی صدی سنت متواترہ کی روشنی میں کی ہے اس لیے کہ قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنے کا حق صرف صاحبِ وحی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے۔ آپ جس طرح اس کتاب کے لانے والے تھے اسی طرح اس کے معلم اور مبین بھی تھے اور یہ تعلیم و تبیین آپ کے فریضہ رسالت ہی کا ایک حصہ تھی۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہو کہ فلاں اصطلاح کا یہ مطلب خود آنحضرت صلعم

نے بتایا ہے۔ سو جہاں تک معروف دینی اصطلاحات کا تعلق ہے یہ سوال کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ اس قسم کی ساری اصطلاحات کا حقیقی مفہوم بالکل عملی شکل میں سنتِ متواترہ کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ سنت متواترہ بعینہٖ انہی قطعی ذرائع سے ثابت ہے جن سے قرآن ثابت ہے۔ امت کے جس تواتر نے قرآن کریم کو ہم تک منتقل کیا ہے اسی تواتر نے دین کی تمام اصطلاحات کا عملی مفہوم بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ فرق ہے کہ ایک چیز قولی تواتر سے منتقل ہوئی ہے، دوسری چیز عملی تواتر سے۔ اس وجہ سے اگر قرآن مجید کو ماننا ہم پر واجب ہے تو ان ساری اصطلاحات کی اس عملی صورت کو ماننا بھی واجب ہے جو سلف سے خلف تک بالتواتر منتقل ہوئی ہے۔ ان کی صورت میں اگر کوئی جزوی قسم کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں سب جانتے اور مانتے ہیں اور اسی قطعیت کے ساتھ جانتے اور مانتے ہیں جس قطعیت کے ساتھ قرآن کو جانتے اور مانتے ہیں، رہا بعض جزوی امور میں کوئی فرق تو یہ فرق کوئی اہمیت رکھنے والی شے نہیں ہے۔ اس طرح کے معاملات میں دلائل کی روشنی میں جس پہلو پر بھی جس کا اطمینان ہو اس کو اختیار کر سکتا ہے۔

منکرینِ حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ اور عمرہ و قربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے اس میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق ترمیم و تغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے اس لیے کہ جس تواتر نے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر وہ ان کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کو ماننے کے لیے بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی۔ اصطلاحات کے معاملے میں تنہا لغت پر اعتماد بھی ایک بالکل غلط چیز ہے۔ صوم و صلوٰۃ کا لغت میں جو مفہوم بھی ہو لیکن دین میں ان کا وہی مفہوم معتبر ہوگا جو شارع نے واضح فرمایا ہے۔

ان دینی اصطلاحات کے بارے میں مولانا فراہیؒ اپنے مقدمۂ تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"اسی طرح تمام اصطلاحات شرعیہ مثلاً نماز، زکوٰۃ، جہاد، روزہ، حج، مسجد حرام، صفا، مروہ اور مناسک حج وغیرہ اور ان سے جو اعمال متعلق ہیں، تواتر و توارث کے ساتھ سلف سے لے کر خلف تک سب محفوظ رہے۔ اس میں جو معمولی جزوی اختلافات

ہیں وہ بالکل ناقابلِ لحاظ ہیں۔ بشر کے معنی سب کو معلوم ہیں۔ اگرچہ مختلف ممالک کے بشروں کی شکلوں صورتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اسی طرح جو نماز مطلوب ہے وہی نماز ہے جو مسلمان پڑھتے ہیں۔ ہر چند کہ اس کی صورت و ہیئت میں بعض جزوی اختلافات ہیں۔ جو لوگ اس قسم کی چیزوں میں زیادہ کھوج کرید کرتے ہیں وہ اس دین قیم کے مزاج سے بالکل ہی ناآشنا ہیں جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے۔۔۔

۔۔۔۔ پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے، جن کی پوری حد و تصویر قرآن میں نہ بیان ہوئی ہو تو صحیح راہ یہ ہے کہ جتنے حصے پر تمام امت متفق ہے اتنے پر قناعت کرو اور اخبارِ احاد پر زیادہ اصرار نہ کرو ورنہ خود بھی شک میں پڑو گے اور دوسروں کے اعمال کو بھی غلط ٹھہراؤ گے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی چیز نہ ہو گی جو اس جھگڑے کا فیصلہ کر سکے۔"

تمام دینی اصطلاحات کے بارے میں اسی مسلک کو میں صحیح سمجھتا ہوں اور اسی کو میں نے اختیار کیا ہے۔ البتہ ان کے اسرار و مصالح میں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اس باب میں رہنمائی قرآن اور صحیح احادیث سے حاصل کی ہے۔

احادیث و آثارِ صحابہؓ

تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سے سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز ذخیرۂ احادیث و آثار ہے۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی۔ لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جا سکتا اس وجہ سے ان سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جس حد تک یہ ان قطعی اصولوں سے موافق ہوں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ جو لوگ احادیث و آثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کو خود قرآن پر بھی حاکم بنا دیتے ہیں وہ نہ تو قرآن کا درجہ پہچانتے ہیں نہ حدیث کا۔ برعکس اس کے جو لوگ احادیث و آثار کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے وہ اپنے آپ کو اس روشنی ہی سے محروم کر لیتے ہیں جو قرآن کے بعد سب سے زیادہ قیمتی روشنی ہے۔ میں احادیث کو تمام تر قرآن ہی سے ماخوذ و مستنبط سمجھتا ہوں اس وجہ سے میں نے صرف انھی احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے، خاص طور پر حکمتِ قرآن

کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی۔ اگر کوئی حدیث مجھے ایسی ملی ہے جو قرآن سے متصادم نظر آئی ہے تو میں نے اس پر ایک عرصے تک توقف کیا ہے اور اسی صورت میں اس کو چھوڑا ہے جب مجھ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ اس حدیث کو ماننے سے یا تو قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے یا اس کی زد دین کے کسی اصول پر پڑتی ہے۔ جہاں تک صحیح احادیث کا تعلق ہے اس کی نوبت بہت کم آئی ہے کہ ان کی موافقت قرآن سے بہم ہی نہ ہو سکے لیکن اگر کہیں ایسی صورت پیش آئی ہے تو وہاں میں نے بہر حال قرآن مجید کو ترجیح دی ہے اور اپنے وجوہِ ترجیح تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں۔

شانِ نزول

شانِ نزول سے متعلق میرا جو مسلک ہے اور جس کی میں نے اس کتاب میں پیروی کی ہے وہ میں اپنے استاذ مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں بیان کیے دیتا ہوں۔ مولاناؒ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں شانِ نزول سے متعلق لکھتے ہیں۔

"شانِ نزول کا مطلب، جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت و کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام بر سرِ موقع حاوی ہوتا ہے۔ کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یا چند خاص امور کو مدنظر رکھے بغیر کلام کیا گیا ہو۔ اور وہ امر یا امور جو کسی سورہ میں مدنظر ہوتے ہیں اس سورہ کے مرکزی مضمون کے تحت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر شانِ نزول معلوم کرنی ہو تو اس کو خود سورہ سے معلوم کرو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس طرح ایک ماہر طبیب دوا کے نسخہ سے اس شخص کی بیماری معلوم کر سکتا ہے جس کے لیے نسخہ لکھا گیا ہے اسی طرح تم ہر سورہ سے اس کی شانِ نزول معلوم کر سکتے ہو۔ اگر کلام میں کوئی موضوع پیشِ نظر ہے تو اس کلام اور اس موضوع میں وہی مناسبت ہو گی جو مناسبت لباس اور جسم میں بلکہ جلد اور بدن میں ہوتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ جو روایتوں میں آتا ہے کہ فلاں فلاں آیتیں فلاں فلاں واقعات کے بارے میں نازل ہوئیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ سورہ کے نزول کے وقت یہ احوال و مسائل درپیش تھے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

"زرکشیؒ نے برہان میں لکھا ہے کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت فلاں بارے میں نازل

ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ وہ آیت اس حکم پر مشتمل ہے۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بعینہٖ وہ بات اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔ یہ گویا اس حکم پر اس آیت سے ایک قسم کا استدلال ہوتا ہے۔ اس سے مقصود نقل واقعہ نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اسباب نزول میں ایک قابل لحاظ چیز یہ بھی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آیت اسی زمانے میں نازل ہوئی ہو جس زمانے میں واقعہ پیش آیا۔"

زرکشیؒ کے اس بیان سے وہ مشکل حل ہو جاتی ہے جس کا ذکر امام رازیؒ نے سورۂ انعام کی تفسیر میں وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا الآیہ کے تحت کیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

"مجھے یہاں ایک سخت اشکال پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہ لوگ اس امر پر متفق ہیں کہ یہ پوری سورہ بیک دفعہ نازل ہوئی ہے۔ اگر صورت معاملہ یہ ہے تو پھر ہر آیت کے بارے میں یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب نزول فلاں واقعہ ہے۔"

پس ہمارے نزدیک، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہوا، صورت معاملہ یہ ہے کہ جس وقت جو سورہ بھی نازل کی گئی ہے اس غرض سے نازل کی گئی ہے کہ جو معاملات محتاج توضیح و تشریح ہیں ان کی توضیح و تشریح کر دی جائے اور کلام ایسا ہو کہ اس کے نظم میں کسی قسم کا التباس و ابہام نہ ہو۔ جس طرح ایک ماہر اور حکیم خطیب اپنے سامنے کے خاص حالات و مقتضیات کی بنا پر ایک خطبہ دیتا ہے کہ بسا اوقات وہ ایک خاص معاملے کا ذکر اگرچہ نظر انداز کر جاتا ہے لیکن اس کا کلام اس طرح کے تمام معاملات و احوال پر حاوی ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذکر تو کسی خاص معاملے یا کسی خاص شخص کا کرتا ہے لیکن کلام ایک عالمگیر بارش کی طرح بالکل عام و ہمہ گیر ہوتا ہے، اسی طرح قرآن حکیم کا نزول بھی ہوا ہے۔ ....

پس اگر تم طمانیت اور یقین کے طالب ہو تو شانِ نزول کی پیروی میں سررشتۂ نظم کو ہرگز ہاتھ سے نہ دینا ورنہ تمہاری مثال صحرا کے اس مسافر کی ہو جائے گی جو اندھیرے میں کسی چوراہے پر پہنچ گیا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کدھر جائے۔ شانِ نزول خود قرآن

کے اندر سے اخذ کرنی چاہیے اور احادیث و آثار کے ذخیرے میں سے صرف وہ چیزیں لینی چاہئیں جو نظم قرآن کی موافقت کریں نہ کہ اس کے سارے نظم کو درہم برہم کر کے رکھ دیں۔"

میں نے شانِ نزول کے معاملے میں ٹھیک اسی طریقے کی پیروی کی ہے۔ واقعات کو صرف انہی آیات کی تفسیر میں اہمیت دی ہے جن میں کسی واقعہ کی تصریح یا تلمیح ہے اور ان کو بھی ان تمام غیر ضروری تفصیلات سے الگ کر کے لیا ہے جن کی تائید قرآن کے الفاظ یا اشارات سے نہیں ہوتی۔

کتب تفسیر

تفسیر کی کتابوں میں سے تین تفسیریں بالعموم میرے پیش نظر رہی ہیں۔ تفسیر ابن جریرؒ، تفسیر رازیؒ، تفسیر زمخشریؒ۔ اقوال سلف کا مجموعہ تفسیر ابن جریر ہے۔ متکلمین کی قیل و قال اور عقلی موشگافیاں تفسیر کبیر میں موجود ہیں، نحو و اعراب کے مسائل کشاف میں مل جاتے ہیں۔ یوں تو یہ تفسیریں میرے فکر و مطالعہ کی زندگی کے آغاز ہی سے میرے پیش نظر رہی ہیں لیکن لکھتے وقت خاص طور پر میں نے ان پر ایک نظر ضرور ڈال لی ہے۔ ان کے علاوہ جو تفسیر کی کتابیں ہیں ان کی طرف میں نے صرف اس صورت میں رجوع کیا ہے جب کوئی ایسی اہم بات پیش آئی ہے جس کے لیے ہر اس گوشے کو ٹٹولنا پڑا ہے جہاں سے کسی رہنمائی کی امید ہوئی ہے۔ ان کتابوں سے میرے استفادے کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ میں نے کوئی بات مجرد ان کے اعتماد پر لکھ دی ہو بلکہ صرف وہی بات ان کی لی ہے جو ان اصولوں پر پوری اتری ہے جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ ہمارا طریقہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، یہ ہے کہ ہم ہر سورہ اور ہر آیت پر اس کے الفاظ، اس کے سیاق و سباق، اس کے نظم اور قرآن میں اس کے شواہد و نظائر کی روشنی میں غور کرتے ہیں۔ اس طرح جو باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں مزید اطمینان کے لیے ان کو تفسیروں میں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ جس نتیجے تک ہم پہنچتے ہیں ان کی تائید اگر تفسیروں سے بھی ہو جاتی ہے تو اس سے مزید اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر تفسیروں سے اس کی تائید نہیں ہوتی تو اس پر غور و فکر جاری رکھتے ہیں تا آنکہ یا تو اپنی غلطی دلائل کے ساتھ واضح ہو جائے یا تفسیروں میں جو بات ہے اس کے ضعف کے وجوہ و دلائل سامنے آجائیں۔ ہمارے نزدیک تفسیروں سے فائدہ اٹھانے کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں تفسیروں کے حوالے بہت زیادہ نہیں

ہیں گے۔ صرف انھی مقامات میں ان کے حوالے میں نے دیے ہیں جہاں مسئلے کی اہمیت اس کی داعی ہوئی ہے یا قاری کے اطمینان کے نقطۂ نظر سے حوالے کی ضرورت و اہمیت محسوس ہوئی ہے۔ اہم مقامات میں سے جہاں ہی اپنی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دے سکا ہوں وہاں اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں اتنے دلائل جمع کر دیے ہیں جو انشاء اللہ اطمینان پیدا کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔

قدیم آسمانی صحیفے

قرآن مجید میں جگہ جگہ قدیم آسمانی صحیفوں، تورات، زبور، انجیل کے حوالے ہیں۔ بہت سے مقامات پر انبیائے بنی اسرائیل کی سرگزشتیں ہیں، بعض جگہ یہود اور نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔ اس طرح کے مواقع میں میں نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا ہے جو ہماری تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں۔ یہ روایات زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اس وجہ سے نہ تو یہ اہل کتاب پر حجت ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے خود اپنے ہی دل کے اندر اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر میں نے بحث و تنقید کی بنیاد اصل ماخذوں یعنی تورات و انجیل پر رکھی ہے۔ جس حد تک قرآن اور قدیم صحیفوں میں موافقت ہے وہ موافقت میں نے دکھا دی ہے اور جہاں فرق ہے وہاں قرآن کے بیان کی حجت و قوت واضح کر دی ہے۔ تفسیر کی پہلی جلد میں البقرہ اور آل عمران دونوں کی تفسیر میں، ایسے بہت سے معرکے ملیں گے جن کو پڑھ کر قارئین یہ اندازہ کر سکیں گے کہ فی الواقع قرآن کا اصل زور اسی وقت واضح ہوتا ہے جب کسی معاملے میں اس کے بیان کو تورات و انجیل کے مقابل میں رکھ کے جانچا جائے۔

ان تقابلی بحثوں کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اسی طرح تورات، زبور اور انجیل بھی اللہ ہی کے اتارے ہوئے صحیفے ہیں۔ اگر ان کے بدقسمت حاملوں نے ان صحیفوں میں تحریفیں نہ کر دی ہوتیں تو یہ بھی اسی طرح ہمارے لیے رحمت و برکت تھے جس طرح قرآن ہے۔ لیکن ان تحریفات کے باوجود آج بھی ان کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ اگر آدمی ان کو پڑھے تو یہ حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آتی ہے کہ ان صحیفوں کا سرچشمہ بھی بلاشبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے۔ میں ان کو بار بار پڑھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ قرآن کی حکمت کے سمجھنے میں جو مدد ان صحیفوں سے ملتی ہے وہ مدد مشکل ہی سے کسی دوسری چیز سے ملتی ہے۔ خاص طور پر زبور، امثال اور انجیلوں کو پڑھیے تو ان کے اندر

ایمان کو وہ غذا ملتی ہے جو قرآن و حدیث کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ جن قوموں کے پاس یہ صحیفے موجود تھے وہ قرآن اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کیوں محروم رہیں!

تاریخ عرب

قرآن میں عرب کی پچھلی قوموں مثلاً عاد، ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ کی تباہی کا ذکر ہے، ساتھ ہی ان کے معتقدات، ان کے انبیا کی دعوت اور اس دعوت پر ان کے ردِ عمل کی طرف اشارات ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کی عرب میں آمد، ان کی قربانی، ان کی دعوت، ان کے ہاتھوں تعمیر بیت اللہ اور ان کی برکت سے عرب کے اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، معاشی حالات کی تبدیلی کا مختلف اسلوبوں سے بیان ہے۔ بعد میں قریش نے دینِ ابراہیمؑ کو جس طرح مسخ کیا اور بیت اللہ کو، جو مرکز توحید تھا، جس طرح ایک بت خانہ بنایا اور اس کے نتیجے میں جو رسوم اور جو بدعتیں ظہور میں آئیں ان کے جگہ جگہ حوالے ہیں۔ ان ساری باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ اس دور کی پوری تاریخ پر آدمی کی نظر ہو۔ لیکن بدقسمتی سے اس دور کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تاریخ کا بھی وہ حصہ جو عرب میں ان کی آمد اور تعمیر بیت اللہ و قربانی وغیرہ سے متعلق تھا وہ، جیسا کہ تفسیر سورۂ بقرہ میں معلوم ہوگا، یہود نے بالکل بدل ڈالا۔ مختلف کتابوں سے جو جستہ جستہ معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ اگرچہ مفید ہیں لیکن کافی نہیں۔ عرب کے شعرا اور خطبا کے کلام میں ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتوں کی طرف صرف اشارات مل سکتے ہیں جو اگرچہ نہایت کارآمد ہیں تاہم ان کی حیثیت اشارات کی ہے۔ میں نے جہاں جہاں سے کچھ معلومات حاصل ہونے کی توقع پائی ہے وہاں پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کوشش سے مجھے بعض قیمتی معلومات حاصل ہوئی ہیں جن سے میں نے قرآن کے بعض اشارات کھولنے میں مدد لی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس باب میں مجھے اصل اعتماد قرآن مجید ہی پر کرنا پڑا ہے۔ میں نے تاریخ کی روایات میں سے انھی باتوں کو لیا ہے جن کی تائید مجھے خود قرآن سے بھی حاصل ہو گئی ہے اور یہ جو کچھ بھی ہوا ہے سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے ہوا ہے۔

(باقی)

سلسلہ تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ آلِ عمران

★ ۱۳

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۶۴)

بعثت نبوی کی برکات

یہ آیت تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے۔ وہاں اس کے تمام اہم اجزا کی تشریح ہو چکی ہے۔ نظم کے پہلو سے یہ آیت اسی حقیقت کو مثبت پہلو سے پیش کر رہی ہے جو اوپر والی آیت میں منفی پہلو سے ظاہر کی گئی۔ اوپر کی آیت میں، جیسا کہ بیان ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمت کے ساتھ بدخواہی و بے وفائی کے الزام سے بری قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت میں اس عظیم احسان کا اظہار کیا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں تمام دنیا پر اور خاص طور پر قوم عرب پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ احسان یہاں تین مختلف پہلوؤں سے ظاہر کیا گیا ہے۔

ایک تو اس پہلو سے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کے اندر انھی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرمایا تاکہ زبان کی اجنبیت، نسل و نسب کی غیریت، رجحانات و میلانات کی بیگانگی اور ماضی و حاضر سے بے خبری کسی تعصب اور بدگمانی کا باعث نہ بنے اور لوگ اس پر اپنے ہی باپ اور بھائی کی حیثیت سے اعتماد کر سکیں اور اس کی آواز کو خود اپنے ضمیر کی آواز کی طرح پہچان اور سن سکیں۔ اس حقیقت کا اظہار مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔

دوسرے اس رسول کے مقصد اور مشن کے پہلو سے کہ یہ رسول، اللہ کی آیتیں سناتا ہے، تم کو تمام عقلی، اخلاقی اور عملی گمراہیوں سے پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے رہا ہے۔ بھلا جس کے فیوض و برکات سے تمھاری انفرادی و اجتماعی اور ظاہری و باطنی زندگی

کا ہر گوشہ یوں منور ہو رہا ہے اس سے بڑا بھی تمھارا کوئی خیر خواہ ہو سکتا ہے!

تیسرے مخاطب کی ضرورت کے پہلو سے۔ اہلِ عرب دین و شریعت سے بے خبر اور نبوت و رسالت سے ناآشنا امی لوگ تھے۔ ایک زمانہ دراز سے کفر و جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کو گمراہی کی وادیوں سے نکال کر ہدایت کی صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کیا۔ اس حقیقت کا اظہار وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ یہاں یہ اِنْ مخففہ ہے جو اِنَّ کے معنی میں آتا ہے اور اس کے بعد جو لام ہے یہ اس کا قرینہ ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۶۵)

ایک منافقانہ شبہ

’ا‘ حرف استفہام ہے اور ’و‘ حرفِ ربط ہے۔ عربی زبان میں حرفِ استفہام کی اصل جگہ جملے کے آغاز ہی میں ہے۔ مثلاً اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ الآیۃ۔ یہ حرفِ استفہام اظہارِ تعجب کے لیے ہے اور حرفِ ربط اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بات بھی منجملہ ان اعتراضات کے ایک اعتراض ہے جن کے جواب اوپر دیے گئے۔

اوپر یہ بات گزر چکی ہے کہ کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ جو شخص خدا کا رسول ہو اس کا اور اس کے ساتھیوں کو ہر قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے محفوظ ہونا چاہیے، جب وہ کسی مہم پر نکلیں تو ان کے ساتھ خدا کے فرشتوں کی مدد ہونی چاہیے، جب انھیں کوئی جنگ پیش آئے تو ضروری ہے کہ وہ اس میں فتح مند ہوں۔ اس خیال کے لوگوں کو اُحد کی شکست سے قدرتی طور پر بڑا دھکا لگا۔ وہ سوچنے لگ گئے کہ اگر اسلام ایک سچا دین ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ مچ خدا کے رسول ہیں تو یہ شکست ان کو کہاں سے پیش آئی؟ کمزوروں کی اس نفسیاتی کیفیت سے منافقین نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اس شکست کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دلیل کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کیا۔ قرآن نے اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں تفصیل کے ساتھ اس غلط فہمی کو دور کیا ہے اور اہلِ حق کو جو آزمائشیں پیش آتی ہیں ان کی حکمت واضح فرمائی ہے۔

اس آیت میں پہلی بات یہ فرمائی کہ جو افتاد تمھیں پیش آئی یہ صرف تمھی کو پیش نہیں آئی کہ تم اس کو بدگمانی اور مایوسی کی دلیل بنا لو بلکہ اس سے دو چند نقصان تمھارے ہاتھوں تمھارے

دشمنوں کو پہنچ چکا ہے ۔ بدر میں تم نے دشمن کے ۷۰ آدمی قتل کیے، ۷۰ قیدی بنائے۔ احد میں بھی پہلے تمہارا ہی پلہ بھاری تھا اور تمہارے ہاتھوں دشمن کے کچھ آدمی قتل اور زخمی بھی ہوئے لیکن بعد میں خود تمہاری غلطی سے تمھیں شکست ہو گئی۔ اللہ فتح اور شکست دونوں پر قادر ہے اور اس کی قدرت ہمیشہ اس کی حکمت کے تحت ظاہر ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ اس افتاد کے سبب تم خود ہوئے ہو، اس کی وضاحت اوپر آیت ۱۵۲ میں ان الفاظ کے ساتھ ہو چکی ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا جب کہ تم خدا کے حکم سے ان کو تہ تیغ کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم کمزور پڑ گئے، تم نے معاملے میں اختلاف کیا اور تم نے نافرمانی کی جب کہ خدا نے تمھیں وہ چیز دکھا دی تھی جس کو تم عزیز رکھتے تھے، تم میں کچھ دنیا کے طالب تھے، کچھ آخرت کے۔ پھر خدا نے تمہارا رخ ان سے پھیر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور اللہ نے تم سے درگزر کیا اور اللہ مومنوں پر بڑے فضل والا ہے)

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۶۶ - ۱۶۸)

اس ابتلا کی حکمت

اب یہ ابتلا کی حکمت واضح کی جا رہی ہے کہ یہ جو کچھ پیش آیا ہے خدا کے حکم سے پیش آیا ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ سچے مسلمانوں اور منافقوں کو اچھی طرح واضح کر دے تاکہ ہر شخص کھلی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کون لوگ جماعت کے اندر قابلِ اعتماد ہیں کون لوگ نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ آزمائش جماعتی تطہیر کے لیے ضروری تھی۔ اگر مخلصین اور منافقین دونوں اسی طرح ملے جلے رہتے تو معلوم نہیں مفسد عناصر کس وقت پوری جماعت کا بیڑا غرق کر دیتے۔

وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یہ منافقین کے ایک گروہ کی طرف اشارہ ہے جس کو اس موقع پر جہاد کی دعوت دی گئی کہ اٹھو اگر جنگ ہو گئی تو جہاد کا ثواب حاصل ہو گا اور اگر دشمن ہماری جمعیت ہی سے مرعوب ہو گیا تو دفاع کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ لیکن یہ لوگ جہاد کے لیے نہ اٹھے اور اپنے نفاق اور بزدلی پر پردہ ڈالنے کے لیے انھوں نے یہ بات بنائی کہ ہمیں علم ہے کہ اس موقع پر لڑائی نہیں ہونی ہے۔ اگر ہمیں لڑائی کا علم ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ قرآن نے ان کے بابت فرمایا کہ یہ بات کہتے وقت یہ ایمان سے زیادہ کفر سے قریب تر تھے اور انھوں نے زبان سے وہ بات کہی جو ان کے دل میں نہیں تھی۔ دل میں وہ جو کچھ چھپائے ہوئے تھے اس کا خدا کو خوب پتا ہے۔

اس کے بعد ان کے دل کا راز کھول دیا کہ یہ خود تو سخن سازی کر کے گھروں میں بیٹھے رہے لیکن ان کے جو بھائی بند جہاد میں شریک اور شہید ہوئے، ان کی بابت انھوں نے کہا کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو یوں قتل نہ ہوتے۔ مقصد یہ ہے کہ اصل چیز جو ان کے لیے مانع ہوئی وہ ہے موت کا خوف لیکن انھوں نے بات یہ بنائی کہ وہ اس لیے نہیں اٹھے ہیں کہ جنگ و جنگ کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اگر یہ موت و زندگی کے معاملے سے ایسے ہی باخبر ہیں تو وہ اپنے آپ کو موت سے بچائیں!

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ (۱۶۹ - ۱۷۱)

شہدائے احد کا مرتبہ

یہ ان منافقین کو تنبیہ ہے کہ خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھو۔ مردہ وہ نہیں ہیں بلکہ تم ہو۔ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب کے جوارِ رحمت میں اس کی نعمتوں سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ تم اپنی جہالت اور بے بصیرتی سے ترس کھا رہے ہو کہ وہ مارے گئے اور خیال کر رہے ہو کہ اگر وہ تمہاری رائے پر چلتے، تمہاری ہی طرح گھروں میں بیٹھ رہتے تو نہ مارے جاتے۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس فضل و نعمت پر فرحاں و شاداں ہیں جس سے اللہ نے ان کو نواز رکھا ہے۔ نہ تھیں ان کی موت پر حسرت و افسوس ہے اور ان کا عالم یہ ہے کہ دمبدم ان کو اپنے

ان اخلاف و اولاد سے متعلق جو ان کے نقش پر چل رہے ہیں اور ان سے ملنے کے آرزومند ہیں اگرچہ ابھی ملے نہیں ہیں، یہ بشارت مل رہی ہے کہ وہ بھی عنقریب ان سے ملیں گے اور ان کو بھی انھی کی طرح وہ مقام حاصل ہوگا جہاں نہ تو مستقبل کا کوئی اندیشہ ہوگا نہ ماضی کی کوئی حسرت۔

یہ امر ملحوظ رہے کہ قرآن میں یہ حقیقت مختلف اسلوبوں سے واضح کی گئی ہے کہ عالی مقام اہل ایمان کے ساتھ جنت میں ان کی ذریت اور ان کے اخلاف میں سے ان لوگوں کو بھی جمع کر دیا جائے گا جن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اگرچہ اپنے عمل کے لحاظ سے یہ ان کے درجے کے نہ ہوں۔ یہ شہدا اور صدیقین پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوگا کہ ان کی مسرت کی تکمیل کے لیے ان کی با ایمان ذریت کو ان کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا اور اس مقصد کے لیے اسلاف کا درجہ نیچا نہیں کیا جائے گا بلکہ اخلاف کا درجہ اونچا کر دیا جائے گا۔ اس مسئلہ پر خدا نے چاہا تو ہم سورۂ طور کی تفسیر میں بحث کریں گے۔

ان آیات پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن نے نہایت بلاغت کے ساتھ ان تمام برے اثرات کو مٹایا ہے جو منافقین مسلمانوں کے دلوں پر عموماً اور شہدا کی ذریات اور ان کے اخلاف پر خصوصاً ڈالنا چاہتے تھے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا
مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ
فَضْلٍ عَظِیْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۱۷۲-۱۷۵)

'اَلَّذِیْنَ' ان مومنین کی صفت ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اس صفت کے اضافے نے کلام کو بالکل مطابقِ حال بنا دیا اور اوپر والی آیت میں جو اصولی بات فرمائی گئی تھی اس کا ایک متعین محل سامنے آگیا۔ یعنی اس عظیم اجر کے مستحق وہ لوگ ٹھہریں گے جن کے عزم و ایمان کا حال یہ ہے کہ احد کی شکست کا زخم کھانے کے بعد بھی ان میں کوئی خم نہیں پیدا ہوا بلکہ جوں ہی اللہ و رسول کی طرف سے ایک تازہ مہم کی منادی ہوئی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تاریخ و سیرت

کی کتابوں میں بیان ہوا ہے کہ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بعد قریش کی فوج اوّل اوّل تو واپس چلی گئی لیکن روحاء کے مقام تک پہنچنے کے بعد ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو احساس ہوا کہ انھوں نے اس قدر جلد واپس ہونے میں سخت غلطی کی ہے، لگے ہاتھوں انھیں مدینہ کا قصہ بھی پاک کر دینا تھا۔ یہ سوچ کر انھوں نے اپنی فوج کی ازسرِنو تنظیم شروع کر دی اور ادھر مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے منافقین کے ذریعے سے یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ قریش نئے ساز و سامان سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ حضورؐ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے بھی لوگوں کو قریش کے تعاقب کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اس فوج میں صرف انھی لوگوں کو شامل ہونے کی اجازت دی گئی جو پہلے روز کی جنگ میں شریک رہے تھے۔ یہ احتیاط غالباً اس لیے کی گئی کہ منافقین کے لوث سے یہ لشکر پاک رہے۔ چنانچہ حضورؐ جاں نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ ابوسفیان کے تعاقب میں نکلے اور حمراء الاسد تک گئے جو مدینہ سے ۸ میل کے فاصلے پر ہے۔ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ ابھی مسلمانوں کے حوصلے میں کوئی فرق نہیں آیا ہے تو ارادہ بدل دیا اور مسلمان کامیاب و بامراد واپس آ گئے۔

'لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا' یہاں 'احسان' اللہ و رسول کی وفاداری کے حق کو بہتر سے بہتر شکل میں ادا کرنے اور 'تقویٰ' نفاق کی تمام آلائشوں سے بچنے کے معنی میں ہے۔ یہ درجہ ایک نہایت اونچا درجہ ہے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے درجات و مراتب ان کے باطنی خلوص اور ان کے ظاہری اعمال و اقدامات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔

'اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ الآیۃ' میں مذکورہ اصحاب احسان کا بیان ہے کہ جب منافقین نے ان کو ہراساں کرنے کے لیے یہ افواہ پھیلائی کہ قریش نئے ساز و سامان کے ساتھ حملہ کی پھر تیاریاں کر رہے ہیں تو یہ خبر بجائے اس کے کہ ان کے اندر خوف و ہراس پیدا کرتی ان کے عزم و ایمان کو بڑھانے کا سبب بن گئی۔ قاعدہ ہے کہ جس کنوئیں کے سوتے زوردار ہوں اس کے اندر سے جتنا ہی پانی نکالا جائے اتنا ہی اس کے سوتے اور زیادہ جوش کے ساتھ اُبلتے ہیں۔ اسی طرح آگ اگر تیز ہو تو گیلی لکڑی بھی اس میں ڈال دیجیے تو اس کو بھی اپنی غذا بنا کر مزید طاقتور بن جاتی ہے۔ یہی حال اصحاب عزم و ایمان کا ہے۔ ان کو بھی رکاوٹیں ضعیف کرنے کے بجائے اور زیادہ پرعزم اور پرحوصلہ بنا دیتی ہیں۔ ہر آزمائش ان کی مخفی صلاحیتوں کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے اور ہر امتحان ان کے لیے فتح مندی کا ایک نیا

میدان کھولتا ہے۔

رُکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

'وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ' یہ اس زیادتِ ایمان کا مظہر ہے جس کا ذکر 'فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اہل ایمان کی تمام قوت و طاقت کا خزانہ درحقیقت یہی 'حسبنا اللہ' کا عقیدہ ہے۔ مومن کا ایمان اس بات پر ہوتا ہے کہ تمام قوت و طاقت اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے ہاتھ میں ہے تو جب بندہ خدا کے مقرر کیے ہوئے کسی فرض کو ادا کرنے کے لیے خود خدا ہی کے حکم سے اٹھ رہا ہے تو اس کو دنیا کی کوئی طاقت کس طرح ڈرا سکتی ہے۔ بہترین ہستی جس کو بندہ اپنا معاملہ سپرد کر سکتا ہے وہ خدا کی ہستی ہے تو جس نے خدا کو اپنا وکیل و معتمد بنایا اب اس کے لیے کسی خوف و ہراس کی گنجائش کہاں باقی رہی۔

کیا غم ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف

کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

'إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ' الآیۃ یعنی یہ ڈراوے سب شیطان کی طرف سے تھے اور اس طرح وہ تم پر اپنا اور اپنے ساتھیوں اور دوستوں کا رعب جمانا چاہتا تھا تو تم شیطان اور اس کے ساتھیوں سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھی سے ڈرو، اگر تم سچے مومن ہو۔ ظاہر ہے کہ یہاں شیطان اور اس کے اولیاء سے اشارہ قریش اور ان کے ساتھیوں کی طرف ہے اور ان سے جس ڈر کی ممانعت کی گئی ہے یہ وہ ڈر ہے جس کا ہوّا منافقین دکھا رہے تھے کہ ان کے ڈر سے خدا کے دین کے احکام و مطالبات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ۖ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱۷۶ - ۱۷۹)

یہ آیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی طرف التفات کی نوعیت کی ہیں۔ احد کی شکست کے بعد، جیسا کہ اوپر کی آیات سے واضح ہے اور ہم سورہ کی تمہید میں بھی اشارہ کر چکے ہیں، وہ لوگ جو منافقانہ اسلام کی صفوں میں آگھسے تھے پھر یا تو علانیہ کفر کی طرف پلٹ گئے یا پلٹ جانے کے لیے تمہیدیں استوار کرنے لگ گئے۔ یہ لوگ اس طمع خام میں مبتلا ہو گئے کہ قریش کی حمایت کر کے اس دین کو شکست دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ان کی تمام سرگرمیاں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور کفر اور اہل کفر کی حمایت کے لیے وقف ہو گئیں۔ اس صورت حال پر ارشاد ہوا کہ اس سے ذرا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کفر کی راہ میں ان لوگوں کی یہ سرگرمیاں اللہ اور اس کے دین کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ جو لوگ کفر کو ایمان پر ترجیح دے رہے ہیں اللہ بھی ان کے لیے یہی چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا حصہ صرف دردناک عذاب ہو۔ اللہ نے ان کی معاندانہ سرگرمیوں کے باوجود ان کو جو ڈھیل دے رکھی ہے اس ڈھیل کو یہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کامیابی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور ان کے گناہوں کا پیمانہ اچھی طرح لبریز ہو جائے تاکہ جب ان کی کشتی ڈوبے تو پھر اس کو ابھرنا نصیب نہ ہو۔ اس ڈھیل کے بعد ان کے لیے صرف ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ایسا عذاب جس کے بعد کسی کو بھی ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہو گی بلکہ صرف دنیا اور آخرت کی رسوائی ہو گی۔

'مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ' الآیۃ۔ یہ اشارہ ہے اس حکمت کی طرف جو احد کی اس آزمائش میں اہل ایمان کے لیے مضمر تھی۔ فرمایا کہ اب تک مسلمانوں کی جماعت خام و پختہ، خبیث و طیب اور مخلص و منافق ہر قسم کے افراد پر مشتمل رہی ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھی کہ جو جماعت تمام دنیا کی صلاح و فلاح کا ذریعہ بننے والی ہے وہ اس طرح صالح و فاسد کا ملغوبہ بنی رہے۔ چنانچہ اس نے چاہا کہ اس کے فاسد عناصر کو اس سے الگ کیا جائے تاکہ مخلص اہل ایمان ابھر کر سامنے آئیں اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق پروان چڑھیں۔ اس کے لیے ایک شکل تو یہ تھی کہ تمام مسلمانوں کو غیب کا علم دے دیا جاتا کہ وہ خود معلوم کر سکتے کہ کون ان کے اندر مخلص ہے کون منافق۔ لیکن یہ بات اللہ کی سنت کے خلاف ہے کہ وہ غیب کے اسرار سے ہر ایک کو واقف کر دے۔ غیب کی باتوں کے لیے اپنے رسولوں میں سے وہ جن کو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور ان کو امور غیب میں سے جس چیز سے چاہتا ہے آگاہ فرماتا ہے۔ اس کی دوسری شکل یہ تھی کہ تمہاری جماعت کو کوئی ایسا امتحان پیش آئے جو خود تمہارے

کھرے اور کھوٹے اور مخلص و منافق کو چھانٹ کر الگ کر دے۔ یہی شکل اللہ کی سنت کے مطابق ہے۔ چنانچہ واقعہ احد کی صورت میں یہ امتحان تمھارے سامنے آگیا اور اس امتحان نے تمھارے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کر دیا۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ الآیۃ یہ اس امتحان کی برکات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے اور ایمان و تقویٰ کے تمام تقاضے پورے کرتے رہنے کی تاکید ہے تاکہ اس تطہیر کے بعد نفاق کی بیماری کو پھر جماعت کے اندر گھسنے کی راہ نہ ملے۔ یہاں یہ فعل اپنے کامل معنی میں ہے اور آخر میں اس کے اجرِ عظیم کا وعدہ ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ
بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَھُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ
ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ (۱۸۰ - ۱۸۲)

اہل نفاق جس طرح اپنی جان کے معاملے میں چور ہوتے ہیں اسی طرح اپنے مال کے معاملے میں بھی چور ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کی اس کمزوری پر بھی تنبیہ فرمائی تاکہ مسلمان اس بیماری سے بھی ہوشیار رہیں۔ فرمایا کہ جو لوگ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے سے دریغ کر رہے ہیں درآنحالیکہ وہ خدا ہی کا بخشا ہوا ہے اور خدا نے ان کو کسی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنے فضل سے بخشا ہے، وہ یہ نہ سمجھیں کہ اپنے مستقبل کی مصلحت کے لیے وہ کوئی بڑا مفید کام کر رہے ہیں۔ خدا کے حقوق و فرائض سے چرا چرا کر جو مال جمع کیا جا رہا ہے وہ قیامت کے دن ان کی گردنوں کا بوجھل طوق بنے گا اور سونے کے جو طوق آج زینت و فخر کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں یہ سانپوں اور اژدہوں کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گے۔

مزید فرمایا کہ آسمان و زمین کی ساری میراث بالآخر خدا ہی کی طرف پلٹ جانے والی ہے۔ جو کچھ جس کو ملا ہے خدا ہی سے ملا ہے اور پھر یہ سب کچھ اسی کی طرف لوٹ جانے والا ہے۔ یہ ساری چیزیں خدا ہی نے ہمیں بطور امانت بخشی ہیں اور مقصود اس سے ہمارا امتحان ہے۔ وہ اس بات سے اچھی طرح باخبر ہے کہ ہم نے اس کی بخشی ہوئی نعمتوں میں کس طرح کا تصرف کیا ہے

اور اپنے اس علم کے مطابق وہ جزا یا سزا دے گا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الآیۃ یہ منافقین کے اس استہزا پر تہدید و وعید ہے جو وہ اپنی مجلسوں میں قرآن کی دعوت انفاق کا اڑایا کرتے تھے۔ قرآن جب یہ کہتا کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے" تو یہ منافقین اس پر یہ فقرہ چست کرتے کہ ان دنوں اللہ میاں بہت غریب ہو گئے ہیں اور ہم ان سے زیادہ امیر ہیں کہ وہ ہم سے قرض مانگنے پر اتر آئے ہیں۔ یہ منافقین زیادہ تر یہودیوں سے تھے اس وجہ سے خدا پر طنز کرنے میں بھی انھوں نے بالکل یہود ہی کی ہمنوائی کی۔ سورۂ مائدہ میں یہود کا یہ قول جو نقل ہوا ہے کہ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ اس کی نوعیت بھی جیسا کہ ہم تشریح کریں گے بالکل یہی تھی۔ وہ بھی قرآن کی مذکورہ بالا دعوتِ انفاق کا مذاق اڑانے کے لیے کہتے کہ آج کل مسلمانوں کے اللہ میاں کا ہاتھ بہت تنگ ہے کہ وہ بندوں سے قرض مانگتے پھرتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا یہ جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس کو ہم نوٹ کر رکھیں گے۔ فن بلاغت کے اداشناس اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان دو لفظوں کے اندر جو قہر و غضب چھپا ہوا ہے اس کی تعبیر ہم عاجزوں کے قلم سے صفحوں میں بھی ممکن نہیں ہے۔ پھر اس سے زیادہ بلیغ بات یہ ہے کہ اسی پر عطف کر دیا ہے وَقَتْلَھُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ کو یعنی ان کے ناحق قتل انبیا کو بھی ہم نے لکھ رکھا ہے۔ یہ قتل انبیا کا جرم ظاہر ہے کہ یہود کا ہے۔ منافقین کے ایک قول اور یہود کے ایک فعل کو ایک ہی زمرے میں اس طرح شمار کرنا اور دونوں کے لیے ضمیر بھی ایک ہی استعمال کرنا یہاں دو باتوں پر دلیل ہے۔ ایک تو اس بات پر کہ یہ سنگین بات کہہ کر یہ منافقین یہود کی اسی برادری میں پھر جا شامل ہوئے ہیں جس سے نکل کر انھوں نے اسلام میں داخل ہونے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ دوسری یہ کہ منافقین کا یہ استہزا اور یہود کا یہ عمل دونوں ایسے سنگین جرائم ہیں کہ خدا ان کو بھولنے والا نہیں ہے بلکہ وہ بھی ایک دن ان سے کہے گا کہ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ خدا کا یہ عذاب چکھو اور یہ عذاب جو کچھ بھی ہو گا ان کے اعمال ہی کا ثمرہ و نتیجہ ہو گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر کسی قسم کا ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا
بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (۱۸۴ - ۱۸۶)

بات جب منافقین کے ذکر سے یہود کے ذکر تک پہنچ گئی تو ان کی ایک اور شرارت کا حوالہ دے کر اس کی بھی لگے ہاتھوں تردید فرما دی اور ساتھ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی دی کہ ابھی اس طرح کی بہت سی دل آزار باتیں تمھیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے دیکھنی اور سننی پڑیں گی۔ یہ تمھارے صبر و عزیمت کا امتحان ہے۔

یہود کی ایک شرارت

یہود کی جس شرارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو چپ کرنے کے لیے یہ کہتے کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت ہے کہ ہم کسی شخص کے دعوائے رسالت کی اس وقت تک تصدیق ہی نہ کریں جب تک اس سے یہ معجزہ نہ صادر ہو کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو کھانے کے لیے، قبولیت کے نشان کے طور پر، آسمان سے آگ اترے۔ یہ بات یہود محض شرارت کی وجہ سے کہتے۔ تورات میں بعض انبیا سے اس معجزے کا صادر ہونا مذکور تو ہے، مثلاً سلاطین ۱۸ : ۳۷-۳۸ میں ایلیا نبی کے متعلق اور تواریخ ۷ : ۱ میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق لیکن یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ یہ معجزہ لوازم و شرائط نبوت میں سے ہے جب تک کوئی نبی یہ معجزہ نہ دکھائے اس کا دعوائے نبوت ہی قابل غور نہیں، بالخصوص آخری نبی سے متعلق تو ان کے ہاں جو پیشین گوئیاں ہیں وہ اس قسم کے تکلفات سے بالکل ہی خالی ہیں یہ عذر یہود نے محض شرارت سے، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، گھڑا تھا اس وجہ سے قرآن پاک نے ان کے ذہن کو سامنے رکھ کر جواب دے دیا کہ ان سے کہہ دو کہ مجھ سے پہلے ایسے رسول آچکے ہیں جو نہایت واضح نشانیاں لے کر آئے اور وہ معجزہ بھی انھوں نے دکھایا جس کا تم نے ذکر کیا تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟ تمھارا یہ فعل تو اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ تم اپنی اس بات میں بھی جھوٹے ہو، اگر تم کو یہ معجزہ بھی دکھا دیا جائے گا جب بھی تم اپنی ضد پر اڑے رہو گے اور ایمان نہ لانے کا کوئی اور بہانہ تلاش کر لو گے۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اگر یہ تمھاری تکذیب کر رہے ہیں تو تم اس کا غم نہ کرو، نہ یہ بات تمھاری کسی کوتاہی کے سبب سے ہے اور نہ اس وجہ سے ہے کہ تم ان کے حسب منشا ان کو معجزہ نہیں دکھا رہے ہو بلکہ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ یہ لوگ تم پر ایمان نہیں لانا چاہتے۔ یہ معاملہ خاص تمھی کو نہیں پیش آیا ہے، تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب ہو چکی ہے حالانکہ وہ معجزے، صحیفے اور روشن کتاب سب کچھ لے کر آئے تھے، خالی ہاتھ نہیں آئے تھے۔

یہاں تین لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ بینات — زبر — کتاب منیر —

بینات

'بینات' کے معنی واضح اور روشن کے ہیں۔ یہ لفظ آیات کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ تنہا بغیر موصوف کے استعمال ہوا ہے دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ واضح اور مسکت دلائل کے معنی میں یا حسی معجزات کے معنی میں۔

زبر

'زبر' زبور کی جمع ہے۔ اس کے معنی ٹکڑے، قطعے اور صحیفے کے ہیں۔ مزامیر داؤد کے لیے اس کا استعمال معروف ہے۔ یہاں اس سے مراد انبیا کے وہ صحائف ہیں جو تورات کے مجموعے میں شامل ہیں۔

کتاب منیر

'کتاب منیر' سے مراد تورات ہے۔ قرآن سے پہلے کی نازل شدہ چیزوں میں سے تورات ہی ہے جو اس لفظ کا اصل مصداق ہو سکتی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ الایۃ میں تہدید اور تسکین دونوں کے پہلو موجود ہیں۔ منافقین و معاندین کے لیے یہ تہدید ہے اور اہل ایمان کے لیے پیام تسکین۔ مطلب یہ ہے کہ تم کو اور تمھارے مخالفوں کو سب کو موت کی منزل سے گزر کر بالآخر خدا ہی کے پاس آنا ہے۔ وہاں قیامت کے دن سب کو اس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ وہاں بازی دراصل اس کی ہے جو دوزخ سے محفوظ رہا اور جنت میں داخل ہوا۔ یہ دنیا اور اس کی چمک دمک تو محض ایک جلوۂ سراب ہے اور شامت ہی ہے ان کی جو اس کے پیچھے پڑ کر آخرت گنوا بیٹھے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ الایۃ یہ مسلمانوں کو معاندین کی تمام سرگرمیوں کے علی الرغم صبر اور تقویٰ پر جمے رہنے کی تلقین ہے۔ فرمایا کہ اہل کتاب اور مشرکین کے ہاتھوں تمھیں جانی و مالی آزمائشیں بھی پیش آئی ہیں اور ان کی طرف سے تمھیں ابھی بہت سی دل آزار باتیں بھی سننی پڑیں گی۔ یہ دراصل تمھارے صبر اور تقویٰ کا امتحان ہے۔ اگر ان باتوں کے باوجود تم اپنے

موقف پر ڈٹے رہے اور تم نے حدودِ الٰہی کا احترام ملحوظ رکھا تو یہی وہ عزیمت کا مقام ہے جو انبیائے اولوالعزم اور ان کے جاں نثاروں کا حصہ ہے اور جو بالآخر اس راہ میں کامیابی کی کلید ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۱۸۷ - ۱۸۹)

اہل کتاب کو آخری تنبیہ

اس سورہ میں اہل کتاب کو یہ آخری تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ خود ساختہ عہود کے حوالے دے کر یہ حق کی مخالفت کے معاملے میں تو بڑے چابکدست ہیں لیکن وہ اصل میثاق جو اللہ نے ان سے اپنی کتاب کو ایک ایک کے آگے آشکارا کرنے کا لیا تھا اور یہ جو ہدایت فرمائی تھی کہ اس کی کسی چیز کو چھپانا مت اس عہد کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا اور دنیا کے حقیر فائدے کے عوض اس کو قربان کر دیا۔ اس عہد کا حوالہ تورات اور انجیل دونوں میں مختلف اسلوبوں اور پیرایوں سے ہوا ہے۔ ہم بخیالِ اختصار صرف دو حوالے نقل کرتے ہیں۔ استثنا میں ہے۔

تورات اور انجیل میں عہد میثاق کا حوالہ

"اس لیے میری ان باتوں کو تم اپنے دل اور اپنی جان میں محفوظ رکھنا اور نشان کے طور پر ان کو اپنے ہاتھوں پر باندھنا اور وہ تمھاری پیشانی پر ٹیکوں کی مانند ہوں اور تم ان کو اپنے لڑکوں کو سکھانا اور تو گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے اور اٹھتے وقت ان ہی کا ذکر کیا کرنا اور تو ان کو اپنے گھر کی چوکھٹوں پر اور اپنے پھاٹکوں پر لکھا کرنا" ۱۱ : ۱۸-۲۰

ان الفاظ پر غور فرمائیے جس کتاب کی تبیین کا ان الفاظ میں یہود سے عہد لیا گیا تھا اس کو انھوں نے نہ صرف یہ کہ گلدستۂ طاق نسیاں بنا کر رکھ دیا بلکہ اس میں تحریف کر کے اس کے حقائق کی قلب ماہیت بھی کر ڈالی۔

اسی طرح انجیلوں میں بھی نہایت مؤثر اسلوبوں میں یہ ہدایت موجود ہے اور خاص طور پر یہ فقرہ تو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

"جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں اجالے میں کہو اور جو کچھ تم کان میں سنتے ہو کوٹھوں پر اس کی منادی کرو" متی ۱۰ : ۲۷

فرمایا کہ جن کے کارنامے یہ کچھ ہیں، جنھوں نے حقیر دنیوی مفادات کی خاطر اس ڈھٹائی کے ساتھ شریعت فروشی کی ہے اور پھر اپنے اس کارنامے پر خوش بھی ہیں، جو چاہتے ہیں کہ اس کام کا کریڈٹ حاصل کریں جو انھوں نے کیا نہیں۔ فرمایا کہ ان کو عذابِ الٰہی سے محفوظ نہ سمجھو، وہ دنیا میں بھی عذاب کی زد میں ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

'مفازۃ' کے معنی نجات اور پناہ کی جگہ کے ہیں اور ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب پر اللہ تعالیٰ نے کتاب کی جو ذمہ داری ڈالی اور اس کے اظہار و اعلان، اس کی تعلیم و تبیین، اور اس کے اجرا و نفاذ سے متعلق جو عہد ان سے لیا اس کا کوئی جزو انھوں نے پورا نہیں کیا بلکہ الٹے اس کے کتمان اور تحریف کے لیے سازشیں کیں اور اس کو اپنے دنیوی اغراض کے لیے حقیر دام دے بیچا لیکن اس کے باوجود ان کی خواہش یہ ہے کہ انھیں حامل کتاب سمجھا جائے، انھیں خدا کی برگزیدہ امت قرار دیا جائے اور ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کے تمام فضل و انعام اور تمام لطف و احسان کا حق دار مانا جائے۔ اہل کتاب کے اسی طرح کے لذیذ خواب ہیں جن کو قرآن نے سورۂ بقرہ میں 'امانی' باطل آرزوؤں سے تعبیر فرمایا ہے۔

'وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الاٰیۃ' یہ اوپر والی دھمکی کی تصدیق و توثیق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہی خدا ہی کے اختیار میں ہے، اس میں کسی اور کے زور و اثر کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جو لوگ خدا سے سرکشی کر رہے ہیں وہ ہر وقت خدا کی مٹھی میں ہیں اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

بقیہ: رسول اللہ کا منصب۔ تشریح و توضیح کا آپ کو ذمہ دار قرار دیا گیا تاکہ اس کے جن جزئیات تک لوگوں کا ذہن منتقل نہ ہو وہاں تک آپ کی تشریح کے بعد بآسانی منتقل ہو جائے۔ مگر یہ عجیب منطق اور مضحکہ خیز بات ہے کہ آنحضورؐ کو یہ حق دئے جانے میں منکرین حدیث کو اس قدر تأمل ہے اور ایسے لوگوں کو جو عربی زبان میں مہارت نہیں رکھتے اور جن کے ذہن و دماغ پر مغربی افکار کا تسلط ہے ان کو اس کا پورا حق ہے کہ قرآن کی جیسی بھلی بری اور غلط سلط من مانی تشریح چاہیں کرتے رہیں۔

(باقی)

مقالات

مولانا ضیاءالدین اصلاحی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب

— اور —

منکرینِ حدیث کے ایک اعتراض کا جواب

منکرینِ حدیث کے نزدیک رسول کا منصب صرف اس کے لغوی معنی تک محدود ہے یعنی وہ صرف قاصد، نامہ بر اور پیغام رساں ہے، اس لئے اس کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ وہ پیغام اور نامہ کو حفاظت کے ساتھ پہنچا دے۔ لیکن قرآن مجید نے رسول کے جو اوصاف و خصوصیات بیان کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کی ذمہ داری اور منصب محض پیغام رسانی اور نامہ بری تک محدود نہیں ہے اور نہ اس کی حیثیت محض اتنی ہے کہ اس کی جو بات چاہے رد کر دی جائے اور جس بات کو چاہے مانا جائے بلکہ قرآن نے صاف اور صریح الفاظ میں بتایا ہے کہ رسول کا منصب اس سے کہیں بلند و برتر ہے اور اس کے تمام احکام اور جملہ قوانین قابلِ اتباع، واجب العمل اور ناقابلِ انکار و تردید ہیں۔ مگر منکرینِ حدیث نے بعض قرآنی آیات سے یہ شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول کا کام محض ابلاغِ حق ہے۔ اس سے زیادہ اور اس کا کوئی حق نہیں مگر یہ شبہ اولاً تو اس لئے غلط ہے کہ قرآن میں اس قسم کی جو آیتیں وارد ہیں، ان میں رسول کی صرف ایک حیثیت اور خصوصیت کا ذکر ہے باقی حیثیتوں کا دوسری آیتوں میں ذکر ہے، اس لئے دیانت داری کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان تمام آیتوں کو سامنے رکھ کر رسول کی حیثیت اور منصب کا تعین کیا جائے۔ اس مضمون میں پہلے ان آیتوں کا مفہوم متعین کیا جائے گا جو منکرینِ حدیث کے استدلال کی بنیاد ہیں اور آخر میں رسول کے وہ جملہ اوصاف اور خصوصیات بیان کئے جائیں گے جو خود قرآن ہی سے ثابت ہیں تاکہ منکرینِ حدیث کے متعلق یہ بات بھی پوری طرح ظاہر ہو جائے کہ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں قرآن کی اطاعت و تعمیل کا، لیکن درحقیقت ان سے بڑھ کر قرآن کو مسخ کرنے والا اور اس کی تردید کرنے والا شاید ہی کوئی ہو۔

قرآن مجید کی جن آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا فریضہ اور ذمہ داری صرف تبلیغ و دعوت (انما علیک البلاغ) ہے ان کو اگر ان کے سیاق و سباق اور اصل محل و موقع میں دیکھ جائے تو اس سے حسبِ ذیل نتائج نکلیں گے۔

قدرتی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ تمام لوگ ایمان و ہدایت کا راستہ اختیار کرلیں اور سب کے دلوں میں حق کی آواز گھر کرلے۔ اس لئے آپ خاص طور سے اس بات کی فکر میں رہتے تھے کہ معزز اور صاحب حیثیت لوگ ایمان قبول کرلیں تاکہ اس کی بدولت آپ کے پیغام و دعوت کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہو۔ آپ کی یہ نیک اور فطری خواہش کبھی کبھی اس قدر بڑھ جاتی تھی کہ آپ کی ساری توجہ امراء و رؤسا کی جانب مرکوز ہو جاتی تھی اور آپ ان لوگوں کی تربیت اور تزکیہ کی جانب سے ایک حد تک صرف نظر کرنے لگتے تھے جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ خداوند قدوس نے ایسے مواقع پر آپ کو تنبیہ کی کہ ان لوگوں کی زیادہ فکر میں نہ رہیئے جو ایمان نہیں لاتے۔ ان کو ہدایت یافتہ اور راہ یاب کرنا آپ کی ذمہ داریوں میں داخل نہیں ہے۔ آپ کا کام تو صرف اس قدر ہے کہ ان کے سامنے اچھی طرح کھول کر خدا کا پیغام واضح کر دیں۔ ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے اور آپ اپنی فکر و توجہ ان لوگوں کی جانب زیادہ مبذول کریں جو ایمان لا چکے ہیں تاکہ ان کی ہدایت میں اضافہ اور مکمل اصلاح و تربیت ہو سکے۔ سورۂ عبس کی ابتدائی آیات کا شانِ نزول اسی قسم کا ایک واقعہ ہے اور سورۂ انعام کی مندرجہ ذیل آیتوں میں بھی یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(انعام — ۵۱، ۵۲)

تم قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ہشیار کردو جنہیں اس بات کا ڈر ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے اکٹھا کئے جائیں گے اس حال میں کہ ان کا کوئی حامی اور سفارشی نہ ہوگا، تاکہ وہ بچتے رہیں اور ان لوگوں کو نہ دھتکارو جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے اور اس کی رضا کے جویا ہیں۔ تم پر ان کا کوئی حساب نہیں اور نہ تیرا حساب ان پر ہے اگر تو انہیں دھتکارے تو بے انصافوں میں سے ہو جائے۔

اس آیت میں تاکید کی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان و ہدایت قبول کر چکے ہیں ان کی سیرت کی تطہیر و تعمیر کردار کی پختگی اور اصلاح و تربیت میں زیادہ قوت، وقت اور توجہ صرف کرنے کی ضرورت ہے اور ان لوگوں کے لیے زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو ایمان و ہدایت قبول کرنے کے روادار نہیں۔

رسول کریم ایک ناصح اور ہمدرد طبیب کی طرح مریضان کفر و ضلالت کو ہر قسم کی گمراہیوں اور بیماریوں سے نجات دلانا چاہتے تھے لیکن جب آپ یہ دیکھتے کہ آپ کی صدائے اصلاح کا ان پر کوئی اثر نہیں تو درکنار وہ الٹے اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کفر و انکار کی روش سے دست کش ہونے کے بجائے بیجا ضد، مخالفت اور ہٹ دھرمی پر کمربستہ ہو جاتے ہیں تو آپ نہایت مغموم اور دل برداشتہ ہو جاتے۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ آپ کو ضبط و تحمل اور تسلی و تثبیت کی تعلیم دیتا اور آپ کی ڈھارس بندھاتا کہ اگر یہ ایمان نہیں لائے تو کیا ہوا؟ اس کی وجہ سے آپ اپنی جان جوکھم میں نہ ڈالیے، زبردستی کسی کو ایمان قبول کرا دینا تو آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (کہف ۶)	کیا اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو ان کے پیچھے آپ اپنی جان پچھتا پچھتا کر گھونٹ ڈالیں گے۔

بعض آیتوں میں اس کا ذکر ہے کہ کتاب کے احکام و قوانین خود نہایت واضح ہیں اور رشد و ہدایت کی باتیں اس قدر صاف ہیں کہ آدمی اگر ہوش و خرد اور عقل و خرد سے کام لے تو اس کے لیے ایمان و معرفت کی راہ اور فلاح و کامیابی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ عقل سلیم سے کام نہیں لیتے تو کیا آپ ان سے زبردستی اسلام قبول کرائیں گے؟

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس ۹۹)	کیا تم لوگوں کو یہاں تک مجبور کر دو گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

ایسے ہی مواقع پر جب کفار کے عدم ایمان اور ان کی ضلالت و غوایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلق و اضطراب بہت بڑھ جاتا ہے اور آپ نہایت مغموم اور شکستہ خاطر ہو جاتے ہیں تو اللہ کی طرف سے تنبیہ بھی کی جاتی ہے اور آپ کو اطمینان دلایا جاتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ کیوں اس قدر پریشان اور تشویش میں مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کے ایمان و عدم ایمان کی ذمہ داری آپ کے سر نہیں ہے۔ آپ تو محض دعوت الٰہی پہنچانے اور فریضہ رسالت ادا کرنے کے مکلف ہیں۔ جبراً منوانا اور زبردستی کسی کو مسلمان بنا دینا آپ کا کام نہیں ہے ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس ـــ در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

چنانچہ ان تمام آیتوں میں جن میں آپ کو محض تبلیغ اور ابلاغ حق کا مکلف اور ذمہ دار قرار دیا گیا ہے یہی مفہوم ہے اور وہ ایسے ہی مواقع پر نازل کی گئی ہیں۔ ان تمام آیتوں کی وضاحت موجب طوالت ہے اس لیے چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سورۂ نحل میں خدا نے اپنے عظیم انعامات و احسانات کا تذکرہ کرنے کے بعد بتایا ہے کہ اگر ان پر دقت نظر سے غور کیا جائے تو ہدایت و ایمان کا معاملہ خود بخود واضح ہو جائے گا اور توحید و جزا کو تسلیم کرنے میں کوئی مانع اور رکاوٹ پیش نہیں آئے گی لیکن یہ لوگ یا تو ان واضح دلائل اور شواہد پر غور نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو بے جا مخالفت اور ہٹ دھرمی پر آمادہ ہیں اس لئے ایمان قبول نہیں کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ کو گھبرانے کی اور پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ انہیں ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے۔ البتہ ہدایت و سعادت کا پیام پہنچا دینا ضرور آپ کی ذمہ داری ہے

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (نحل ۸۲)	اگر یہ لوگ (ایسے دلائل و شواہد) اعراض کرتے ہیں تو (یاد رکھو اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں کیونکہ تمہارے ذمہ صرف کھول کر پہنچانا ہے۔

سورۂ عنکبوت میں بھی تقریباً ایسے ہی مواقع پر آپ کو اس طرح اطمینان اور تسلی دی گئی ہے کہ اگر لوگ آپ کی سیدھی اور سچی باتوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اس کی وجہ سے آپ کو قلق و اضطراب نہیں ہونا چاہیے۔ گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ بھی تکذیب و انکار کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کو انکار و تکذیب سے باز نہیں رکھ سکتے کیونکہ آپ اس کے مکلف ہی نہیں ہیں۔ آپ کی ذمہ داری تو محض اس قدر ہے کہ خدا کا پیغام ٹھیک ٹھیک اور بالکل کھول کر لوگوں تک پہنچا دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (عنکبوت ۱۸)	اور اگر تم لوگ جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے کی قومیں بھی جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمہ تو صرف کھول کر پیغام پہنچا دینا ہے۔

سورۂ اعراف میں خدا نے حضرت نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کے قصوں میں بھی یہی بات بیان کی ہے کہ جب ان کی قوموں نے ان کی دعوت ٹھکرائی اور برابر انکار و تکذیب پر مصر اور ان بزرگوں کا مذاق اڑاتی رہیں تو ان لوگوں نے یہ کہہ کر ان سے گلو خلاصی حاصل کی کہ

وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ	حضرت صالح نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں نے

ـتِ رَبِّيْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (اعراف ۷۹)

تمہیں اپنے خداوند کا پیغام پوری خیرخواہی کیساتھ پہنچا دیا لیکن عجیب معاملہ ہے کہ تم لوگ خیرخواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

ٹھیک یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ (جن ۲۳) اہل کتاب جو دیدہ دانستہ تحریف و تکذیب پر کمربستہ تھے اور ان کے اس طرز عمل سے قدرتی طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اور زیادہ اذیت اور تکلیف پہنچتی تھی لیکن ان کے متعلق بھی کہا گیا کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں تو آپ ذرا بھی مشوش اور دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ اور پیام حق پہنچا دینا ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران ۲۰)

اور تم ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے اور امیوں سے کہدو کہ کیا تم بھی تابع ہوتے ہو۔ پس اگر وہ تابع ہوئے تو سیدھی راہ پائی اور اگر منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان آیتوں کا جن میں رسول کی ذمہ داری صرف "بلاغ مبین" بتائی گئی ہے مقصود یہ ہے کہ نبی لوگوں کے ایمان کا ٹھیکیدار نہیں ہے اس لئے اس کو ان کے کفر و انکار پر غم و اندوہ میں نہیں مبتلا ہونا چاہیئے۔ ایمان و ہدایت کا معاملہ خدا سے متعلق ہے اور وہی ان لوگوں سے اچھی طرح سمجھے گا۔ نبی تو صرف وظیفہ تبلیغ کا مکلف اور ذمہ دار ہے۔ اسی مفہوم اور نبی کی اس حیثیت و نوعیت کو بعض اور آیتوں میں دوسرے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے مثلاً

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ — ۲۱/۲۲)

تم یاد دہانی کردو کیونکہ تم یاد دہانی ہی کرنیوالے ہو اور ان لوگوں پر مسلط نہیں ہو۔

یا فرمایا۔ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (بقرہ — ۲۷۲)

ان کو ہدایت دینا تمہارا کام نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

نیز فرمایا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (انعام — ۱۰۷)

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ اس کا شریک نہ ٹھہراتے اور ہم نے اے پیغمبر، تم کو ان پر نگران نہیں بنایا ہے۔

دوسری قابل غور چیز یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کی یہ سب آیتیں مشرکین اور کفار کے تذکرہ میں آئی ہیں یعنی نبی کی یہ حیثیت کہ وہ صرف تبلیغ و دعوت کا مکلف اور ذمہ دار ہے محض مشرکین و کفار کی حد تک ہے جو سرے سے ایمان لانے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہو رہے ہیں اور مسلسل تنبیہہ و دعوت کے باوجود اپنے غلط اور مشرکانہ طرز عمل سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے سلسلہ میں نبی کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ تمہارا وظیفہ صرف ابلاغ حق ہے۔ اس میں کوئی کسر نہ رکھو بلکہ ایک مشفق اور ہمدرد طبیب کی طرح پوری خیرخواہی اور ذمہ داری کے ساتھ مریضان کفر و ضلالت کو ان کے غلط اور گمراہ کن طرز عمل سے باز آجانے کی تلقین کرتے رہو تاکہ ان پر اتمام حجت ہو جائے۔ ان میں نہ مومنین کا ذکر ہے اور نہ ان سے ان کا کوئی تعلق ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ نبی مومنین کے لیے بھی محض کھول کر بتا دینے کے لیے آیا ہے اور اس کے سوا اس کا ان پر کوئی حق نہیں ہوتا سراسر مغالطہ اور تلبیس ہے اور اس کی جسارت صرف منکرین حدیث ہی کر سکتے ہیں جو بزعم خود فکر و اجتہاد کے علمبردار اور قرآن کے اصلی حامل بنتے ہیں حالانکہ عقل و فطرت کا خود یہ تقاضا ہے کہ نبوت و رسالت کے منکرین اور مومنین میں فرق کیا جائے۔

تیسری چیز ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں نبی کی تسلی و تشفی اور مشرکین و منکرین کے لیے زجر و توبیخ اور وعید و ملامت بھی ہے یعنی نبی کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ تم ان کے ایمان کے ٹھیکیدار نہیں ہو اس لئے ان کے کفر و شرک سے تم کو مغموم اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے اور تم اس کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہو۔ کفار کے لیے زجر و توبیخ اسطرح ہے کہ تم لوگ ایمان قبول نہ کر کے اپنے کو تباہ اور غارت کر رہے ہو، رسول کا اس سے کچھ نہ بگڑے گا۔ وہ اپنا فرض ابلاغ حق ٹھیک طور پر انجام دے رہا ہے۔ اس نے ذرا بھی غفلت اور معمولی بے توجہی سے کام نہیں لیا۔ سارا قصور تمہارا ہے کہ مسلسل وعظ و تذکیر کے باوجود قبول حق کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ اب تم سے نپٹنا خدا کا کام ہے اور لاریب وہ شدید مواخذہ کرے گا۔

ایک اور چیز بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ گو ان آیتوں میں منکرین و معاندین سے خطاب ہے تاہم ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ رسول کریم کی حیثیت محض نامہ بر اور پوسٹ مین کی ہے جس کی ذمہ داری محض ابلاغ اور تبلیغ کے بعد ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تم اسطرح سے فریضہ تبلیغ ادا کرو کہ اتمام حجت ہو جائے۔ انذار و تبشیر اور تخویف و تذکیر میں کوئی خامی اور کوتاہی اور کسی طرح کی کوئی کسر نہ رہ جائے۔ چنانچہ سورۂ ابراہیم میں مشرکین کے انجام بد، قیامت کے رنج فرسا مناظر اور اللہ تعالیٰ کے شدید مواخذہ وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا گیا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ابراہیم - ۵۲)

یہ لوگوں کے لیے پہنچا دینا ہے تاکہ وہ اس سے چوکنا ہو جائیں اور دفع الواقع، جان لیں کہ معبود وہی ایک ہے اور تاکہ عقل والے سوچ لیں۔

ظاہر ہے کہ مقصود صرف یہ بتانا نہیں ہے کہ مکتوب کو بحفاظت مکتوب الیہ تک پہنچا دیا جائے بلکہ اس طرح پہنچایا جائے کہ اتمام حجت اور تبلیغ و دعوت کا پورا پورا حق ادا ہو جائے یعنی عبرت و موعظت، تذکیر و ہدایت، ترغیب و بشارت، انذار و تخویف، تہدید و توبیخ اور عذر و تذکرہ سب اس میں شامل ہو۔

ممکن ہے بعض لوگ یہ اعتراض کریں کہ ان آیتوں میں اکثر صیغہ حصر "انما" استعمال ہوا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف بلاغ ہے تو یہ بھی محض مغالطہ ہے کیونکہ حصر کا تعلق سلسلہ بیان سے ہے ورنہ نبی کے بارہ میں صیغۂ حصر کا استعمال اور بھی متعدد مواقع پر ہے مثلاً کہیں یہ کہا گیا کہ "تم صرف منذر ہو" کہیں فرمایا گیا کہ "تم صرف مذکّر ہو" حتیٰ کہ خود قرآن نے اپنے بارہ میں بھی حصر کے ساتھ کہا ہے کہ "وہ صرف ایک تذکرہ اور یاد دہانی ہے" تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ نبی کا کام صرف انذار ہے تبشیر نہیں اور قرآن صرف تذکرہ ہے اور اس کی اس کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے استعمالات اپنے موقع و محل اور سیاق و سباق میں ایک خاص مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔ منکرین حدیث یا تو دیدہ و دانستہ یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں یا ان کی واقفیت اور عربی دانی ہی ایسی ناقص ہے جو کلام کے عام استعمال سے بھی ناآشنا ہیں۔ ایسی صورت میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اس تفصیل سے ان آیات کا صحیح منشا متعین ہو جاتا ہے اور یہ شبہ بھی رفع ہو جاتا ہے کہ رسول کی حیثیت محض پیامبر کی ہے اور اگر اس کی یہی حیثیت ہو بھی تو اس کا تعلق محض منکرین اور کفار سے ہے، مومنین کے متعلق ان آیتوں میں کوئی صراحت نہیں کی گئی۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مواقع پر کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اس بحث میں بھی ہم تمام تر قرآنی آیات ہی کو ثبوت و استشہاد میں پیش کریں گے۔

رسول کے جو گوناگوں اوصاف و خصوصیات قرآن مجید نے بیان کئے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین کے لیے رسول کی حیثیت محض قاصد اور نامہ بر کی نہیں ہے بلکہ وہی ایک ایسی ذات ہے جو ان کی ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے اور ان کو اپنے تمام شعبۂ حیات میں اس کو آئیڈیل اور رہنما بنانے کی ضرورت ہے۔

ایمان بالرسالت

قرآن مجید نے سب سے پہلے مسلمانوں سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ رسول خدا پر ایمان لائیں اور اس کی نبوت کا اقرار کریں۔ اسے خدا کا رسول اور اس کی جانب سے پوری دنیا کی اصلاح و ہدایت کے لیے مامور خیال کریں اور یہ ایمان ویسے ہی ہونا چاہئے جیسے خود خدا پر یا قرآن مجید یا روز جزاء پر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس چیز کو متعدد مواقع پر اس قدر تاکید اور صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان تمام آیتوں کو نقل کرنا موجب طوالت ہے اور درحقیقت یہی وہ اصل جامع ہے جس پر رسول کی دوسری نوعیتیں اور حیثیتیں مرکوز ہیں اسی لیے اسے اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل کیا گیا ہے اور اس کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ اس اصل کا تقاضا اور مطلب یہ ہے کہ رسول کی اطاعت کی جائے، اس کے فرمان پر اعتماد و یقین کیا جائے نیز اس کو اس کی ان تمام خصوصیات کے ساتھ مانا جائے جو اسے خدا نے بخشی ہیں۔

عصمت

قرآن مجید رسول کی ایمان و اطاعت کا اس لیے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معصوم ہے اور اس کی حیثیت نہ صرف عام انسانوں بلکہ جملہ مصلحین اور ریفارمروں سے بھی زیادہ ممتاز اور فائق ہے۔ وہ اگرچہ بشر ہوتا ہے تاہم خدا کی جانب سے اس کو فہم اور نور نبوت بخشا جاتا ہے اس لیے وہ معاملات دین میں کوئی غلطی اور خطا نہیں کرتا اور اگر کبھی بتقاضائے بشری کوئی بھول چوک یا لغزش سرزد بھی ہو جاتی ہے تو خدا اسے درست کر دیتا ہے اسی لیے خدا نے اس کی عصمت اور بے گناہی کا اس طرح اعلان کیا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (نجم ۲ و ۳)

تمہارا ساتھی بھٹکا اور بے راہ نہیں اور نہ وہ اپنی خواہش سے بات کرتا ہے۔

قرآن کریم تمام مسلمانوں میں یہ اعتقاد اور خیال راسخ کرانا چاہتا ہے کہ اسے معصوم، بے گناہ اور ہر غلطی سے پاک سمجھا جائے۔ مشرکین عرب سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کاہن یا شاعر ہیں اور شیاطین سے سیکھ کر باتیں کہتے اور بناتے ہیں مگر قرآن مجید اس خیال کی پر زور تردید کرتا اور بتاتا ہے کہ شیاطین خدا کے مقدس اور برگزیدہ بندوں پر نہیں اترتے بلکہ جھوٹ گھڑنے والوں پر اترتے ہیں اور نبی کی پوری زندگی تمہارے سامنے ہے اس کی سچائی، راست بازی اور امانت و دیانت کا تمہیں خود اعتراف بھی ہے اس سے زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی تمہیں کہیں نہ نظر آئے گی۔ پھر کیوں خدا کے پیغمبر کے متعلق ایسی ناروا اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔

یہود نے انبیاء کی قدر و منزلت اس حد تک گھٹا دی کہ ان میں اور عام انسانوں میں کوئی فرق اور وجہ امتیاز باقی نہ رہا اور اس کے مقابلہ میں نصاریٰ نے ان کی اہمیت اتنی بڑھا دی کہ نبوت اور الوہیت میں

فرق ہی باقی نہ رہا ۔ قرآن مجید نے افراط و تفریط کی ان دونوں شکلوں سے انبیاء کو پاک و صاف بتایا اور ان کی صفائی اور براءت کا اس طرح اعلان کیا ۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۔ ۷۹)

کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ تعالےٰ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرے پھر لوگوں سے کہے کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر ۔

دوسری جگہ فرمایا ۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران ۔ ۱۶۱)

اور کسی نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو لائے گا ۔

نبی کی عصمت اور بے گناہی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ خدا کی طرف سے اس کو خاص علم و حکمت ، نور و غیب ، تائید و نصرت اور مخصوص فہم و فراست عطا کی جاتی ہے اور اس کا دل قبول حق کے لیے کھول دیا جاتا ہے ۔ نبوت خدا کا خاص فضل و رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو قوم کے اندر سے منتخب کرتا ہے وہ مجتبیٰ اور مرتضیٰ ہوتا ہے ۔ اگرچہ اس فضل خداوندی سے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے لیکن یہ نوازش اور بخشش اندھا دھند نہیں ہوتی بلکہ خدا اپنے مخصوص بندوں ہی کو علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے مدارج عالیہ طے کراتا ہے جو کسب و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ جن مقدس بندوں میں وہ یہ صلاحیت و استعداد بدرجہ اتم پاتا ہے ان پر اپنا فضل و انعام کرتا ہے ۔ یہی مطلب ہے وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ اور اس قسم کی دوسری آیتوں کا اور درحقیقت ان میں یہود اور منکرین رسالت کے ایک شبہ کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ نبوت جیسے اہم فضل و شرف کے لیے کسی خاص خاندان اور گروہ کی تخصیص نہیں ۔

محبت رسول

مسلمانوں کے لیے ایک اہم اور ضروری چیز محبت رسول کو بھی بتایا گیا ہے ۔ یعنی رسول اللہ کو اپنی جان ، مال ، آل و اولاد ، اعزہ و اقارب اور دنیا کی تمام لذیذ و مرغوب چیزوں سے زیادہ عزیز و محبوب رکھنا اور اس محبت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا ۔ احادیث اور صحابہ کی عملی زندگیوں میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں ۔ قرآن پاک میں منافقین کے سلسلہ میں کہا گیا ہے ۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ا۟قْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

اے پیغمبر تم کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ بیٹے ، بھائی ، بیویاں ، برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو ،

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (توبہ ۔ ۲۴)

اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیارے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں لڑنے سے تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم اور فیصلہ صادر کرے ۔

اس محبت اور رسول اللہ سے انتہائی تعلق کے تقاضے کیا ہیں ۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا اس لیے یہاں اس کی زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی نوعیت دراصل رسول کے ان حقوق سے ہے جو مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں ۔ اب ہم ان چیزوں کا ذکر کریں گے جو منصب نبوت اور فرائض رسالت سے تعلق رکھتی ہیں ۔

تبلیغ و دعوت

آنحضرت صلعم کا ایک اہم اور سب سے مقدم فرض تبلیغ و دعوت ہے ۔ یعنی خدا نے آپ کو جس حقیقت اور سچائی کا علم بخشا ہے اس کی اشاعت و تبلیغ میں کوشش کرنا اور اس راہ میں اپنی تمام تگ و دو اور ساری قوت و صلاحیت صرف کر دینا ۔ ہر قسم کی تکالیف اور مشقتیں انگیز کرنا لیکن فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں کوئی کمی اور کوتاہی نہ کرنا ، لوگوں کی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ کئے بغیر پیغام الٰہی کو پورے ذوق و انہماک اور مکمل ذمہ داری کے ساتھ پہنچاتے رہنا اور اس میں کسی بھی مداہنت اور سستی کا روادار نہ ہونا ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ ۔ ۶۷)

اے رسول ! جو کچھ تیری جانب اتارا گیا ہے اس کو پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو خدا کا پیغام تم نے کچھ نہ پہنچایا اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا ۔

آپ کو نبوت و رسالت کا منصب عظیم عطا کرنے کے بعد تاکید کی جاتی ہے کہ لوگوں کو دین حق کی تبلیغ کیجئے اور ان پر واضح کر دیجئے کہ آپ کا یہی منصب ہے ۔

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ([illegible])

اے نبی کہہ دو کہ مجھے اللہ کی بندگی کرنے کا حکم اور اس کا ساجھی بنانے سے منع کیا گیا ہے اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے

ایک آیت میں آپ کے متعدد اوصاف و خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (احزاب ۴۶)

اے نبی ہم نے تمہیں شاہد، مبشر، ڈرانے والا، اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ کو فریضۂ دعوت و تبلیغ نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ تاکہ حق و صداقت کی آواز دلوں میں گھر کر سکے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل - ۱۲۵)

اپنے خداوند کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سنا کر بلاؤ اور ان سے نہایت عمدہ طور سے مجادلہ کرو۔

آپ کی دعوت و تبلیغ کے باوجود لوگ ایمان نہ لاتے تو فطری طور پر آپ کو اس کا رنج و قلق ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھارس اور اطمینان دلایا جاتا کہ اس سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم اخلاص اور بے لوثی کے ساتھ اپنا فرض انجام دے رہے ہو اور ایک صحیح اور سچی راہ کی لوگوں کو تلقین کر رہے ہو۔ ایسی صورت میں تم کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرو۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (مومنون - ۷۳)

اور بے شک تو انہیں سیدھے راستہ کی طرف بلاتا ہے

البتہ اس کام میں پوری طرح ہوشیاری اور احتیاط کو مدنظر رکھو اور ان لوگوں کی دخل اندازیوں اور شاطرانہ حرکتوں سے ہر قدم پر بچتے رہو۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (قصص - ۸۷)

اور تم کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ اور ان پر عمل) سے ان کے تمہاری جانب اتارے جانے کے بعد وہ تمہیں برگشتہ نہ کر دیں اور تم اپنے خداوند (توحید) کی طرف بلاؤ اور مشرکوں میں سے نہ ہو!

اس لئے آپ کو پورے صبر و استقلال اور نہایت محنت و جانبازی سے فریضۂ دعوت ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور یہود و نصاریٰ منکرین رسالت اور مشرکین کی جانب سے ہونے والی مخالفتوں کو قطعاً نظر انداز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (شوریٰ - ۱۵)

اس دین الٰہی اور صراط مستقیم کی طرف بلاؤ اور جس طرح حکم ملا ہے اسی طرح قائم رہو۔

آپ انذار و تبشیر کے لیے بھی جو تبلیغ و دعوت ہی کا جزو ہے، مامور و متعین کئے گئے تھے یعنی مومنین کو بشارت و مژدہ اور منکرین کو عذاب و نقمت سے خوف زدہ اور ہوشیار کرنا۔ فرمایا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر - ۲۴)

ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا - ۲۸)

ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

ایک جگہ شکوک و شبہات کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس - ۲)

کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک شخص کے پاس اس بات کی وحی کی ہے کہ تو لوگوں کو ڈرا اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا کہ ان کے لیے ان کے خداوند کے یہاں سچا پایہ ہے

ان آیات سے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ رسول محض تبلیغ و دعوت ہی کا مکلف اور ذمہ دار ہے بلکہ آپ کی دعوت و اصلاح کا مقصد مکمل اتمام حجت ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّــةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء - ۱۶۵)

(ہم نے بھیجا) ایسے رسولوں کو جو خوشخبری دینے اور ڈرانے والے ہیں تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہ جائے۔

اس سے پہلے اس شبہ اور مغالطہ کا مفصل اور مکمل ازالہ کیا جا چکا ہے اس لیے اب مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہ رہی۔

تلاوت، تزکیہ، تعلیم کتاب و حکمت

قرآن مجید کی کئی آیتوں میں آپ کی ان خصوصیتوں کو بیان کیا گیا ہے لیکن ان سب آیتوں کا قدر مشترک تقریباً یکساں ہے اس لیے صرف ایک آیت کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ

وہی اللہ ہے جس نے امیوں میں ان کے اندر ہی سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتیں

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (جمعہ — ۲)

پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے بلاشبہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جو تین خصوصیتیں اور حیثیتیں بیان کی گئی ہیں ان کی مختصر تشریح یہ ہے۔

تلاوتِ آیات اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب الٰہی کو اس کی اسی شکل میں جس میں وہ نازل ہوئی ہے بے کم و کاست اور بلا حذف و اضافہ اور بغیر ترمیم و تبدیل لوگوں کے سامنے بیان کر دینا اور پڑھ کر سنا دینا۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کتاب و حکمت اور فہم و فراست عطا کی ہے اور جس کی تلاوت و تبلیغ کے لیے آپ مامور کئے گئے ہیں، اس کی روشنی میں اصلاح اور تہذیب نفوس کے بھی آپ ذمہ دار ہیں تاکہ جن لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا ہے اور جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں ان کے اندر وہ ممتاز خصوصیات اور اخلاق فاضلہ پیدا ہوں جو ایمان و اسلام اور قرآن کو مطلوب ہیں اور وہ کفر و شرک اور ضلالت و معصیت کے ہر داغ و دھبہ سے بالکل پاک و صاف ہو جائیں۔ آپ صفات حسنہ کا مظہر تھے اور آپ کی زندگی کو اسوہ بنایا گیا اور آپ کو تاکید کی گئی کہ اسی رنگ میں ان مومنین کو بھی ڈھال دیں اور ان کے ہر نقص و عیب اور زنگ کو دور کر کے انہیں آئینہ کی طرح صاف و شفاف بنا دیں۔ گویا آپ کے فرائض میں ذہنوں کی تربیت، دماغوں کی اصلاح اور قلوب کی تطہیر بھی شامل ہے۔

تعلیم کتاب و حکمت اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری خصوصیت بتائی گئی ہے اس کے متعلق سلف صالحین اور علماء کے متعدد اقوال و تعبیرات منقول ہیں لیکن ان سب کا حاصل تقریباً یکساں ہے۔ اس لئے وہ تمام رائیں سامنے رکھتے ہوئے ان کا خلاصہ اور نتیجہ نقل کیا جا رہا ہے۔

کتاب سے مقصود قرآن مجید یا نوشتہ الٰہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے وہ مجموعہ احکام و قوانین بھی کہا جا سکتا ہے جس پر قرآن مجید مشتمل ہے اور حکمت اس قوت تمیز یا عقل و فہم کی اس کامل ترین حقیقت کا نام ہے جس سے صحیح و غلط، حق و ناحق، خیر و شر اور صواب و خطاء کی تمیز، غور و فکر، تجربہ و استقراء اور دلیل و برہان کے بغیر منکشفانہ طور پر ہو جائے اور فضائل و رذائل کو پرکھ لینے کی فطری صلاحیت پیدا ہو جائے۔ اسی خصوصیت کا منشا یہ ہے کہ رسول لوگوں کو کتاب کی تعلیمات و احکام اور حکمت و اخلاق

کی باتیں سکھانے اور بتانے کا مکلف ہے۔ یہیں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تلاوت اور تعلیم میں بڑا فرق ہے اور جب یہ دونوں الفاظ ایک جگہ عطف کے ساتھ جدا جدا بیان کیے جائیں تو ضرور ان میں فرق ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو دوسری جگہوں میں شرح و تبیین وغیرہ الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی کے احکام کی تشریح و تعلیم اور اس کے اسرار و دقائق کے حل اور مشکلات و مبہمات کی عقدہ کشائی پر بھی مامور تھے اور آپ نے امور دین کے متعلق جو کچھ فرمایا اور کیا ہے وہ سب در اصل تعلیم کتاب و حکمت کی تکمیل و تعمیل ہے اس لیے آپ کی تمام تشریحات و تعلیمات اور احادیث و سنن خدا کی جانب سے ہیں اور آپ ان کی تبلیغ و تعمیل پر مامور تھے۔

شارح و ترجمان تعلیم کتاب و حکمت کو زیادہ واضح الفاظ میں تشریح و تبیین کہہ سکتے ہیں اور آنحضور کی اس خصوصیت کا بھی قرآن میں کئی مقامات پر تذکرہ ہے اور چونکہ قرآن مجید ایک اصولی اور کلی کتاب ہے جزئیات کا اس میں استقصاء نہیں کیا گیا ہے زیادہ تر صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے اور یہ نبی کا کام بنایا گیا ہے کہ وہ اصولی معاملات اور کلی احکام سے جزئیات کا استنباط و استخراج کرے اور اشارات سے نتائج اخذ کر کے ان کی تفصیل و تشریح کرے جس طرح دنیا کے تمام علوم و فنون کے خاص قاعدے اور اصول ہوتے ہیں اور ان کی ایک روح ہوتی ہے اور جب تک اس روح سے واقفیت نہ ہوگی وہ علم و فن سمجھ میں نہیں آسکتا اسی طرح کلام الٰہی کی روح کا سب سے زیادہ عارف اور واقف کار رسول ہے اس لیے وہی اس کا سب سے عمدہ شارح اور مبین ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (نحل — ۴۴)

ہم نے تمہاری طرف ذکر نازل کیا تاکہ تو لوگوں کے لیے وہ بات بیان کرے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ لوگ غور کریں۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ (نحل - ۶۴)

اور ہم نے تم پر کتاب اس لیے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے بیان کر دو۔

ان آیتوں میں تبیین سے وضاحت، تشریح اور تفصیل مراد ہے یعنی رسول اللہؐ کے منصب اور فرائض میں جس طرح قرآن کو بلا کم و کاست لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا اسی طرح اس کی مشکلات کی توضیح، مطالب کی تشریح، احکام کا بیان اور مجملات کی تفصیل بھی آپ کا فرض ہے یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا تھا اور اہل عرب اسے بآسانی سمجھ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود اس کی

بقیہ ص ۳۹ پر

تقریظ و تنقید

ادارہ

"QADIANISM

A CRITICAL STUDY"

یہ کتاب مولانا ابوالحسن صاحب ندوی کی تصنیف ہے جسے اُردو سے انگریزی میں ظفر اسحاق صاحب انصاری ایم۔ اے نے منتقل کیا ہے۔ قیمت پانچ روپے پچاس پیسے ہے۔ ضخامت ڈیڑھ سو صفحات۔ کتاب کی طباعت خوبصورت اور کاغذ گوارا ہے۔ مقام اشاعت لکھنؤ۔ ادارہ اشاعت کا نام اکیڈیمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز ندوۃ العلماء لکھنؤ (بھارت) ہے۔

مولانا ابوالحسن صاحب ندوی مدظلہ کسی تعارف کے محتاج نہیں وہ بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ بلاد اسلامیہ عربیہ میں تو بیحد مقبول و محبوب ہیں۔ انہوں نے اپنے ہادی و مرشد مولانا عبدالقادر صاحب نوّر اللہ مرقدہ کی فرمائش پر قادیانیت کا باضابطہ مطالعہ کیا اور پھر بزبان عربی ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام ہے "القادیانی والقادیانیہ" اس کتاب کی اشاعت کے بعد مولانا ابوالحسن صاحب کو مرشد مغفور کیطرف سے حکم ملا کہ اس کو اردو میں منتقل کر دیا جائے چنانچہ اصل اردو خوانوں کی خاطر سارا متعلقہ مواد دوبارہ دیکھنا ضروری ہو گیا۔ اس "بازدید" کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو ترجمہ اصل عربی سے کسی قدر مختلف اور آزاد صورت اختیار کر گیا۔ زیر نظر کتاب اسی اردو ایڈیشن کا ترجمہ ہے۔

اس موضوع پر اردو زبان میں مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری مرحوم، الیاس برنی صاحب، ملک محمد جعفر صاحب، مولانا مودودی صاحب اور مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب کے علاوہ کئی اور اہل قلم نے بھی بصیرت افروز کتابیں اور رسائل رقم کئے ہیں اور ہر ایک نے اپنی طرف سے بڑے خلوص کے ساتھ حقائق کو پیش کرنے کی کوشش ہے جس سے اس عجیب و غریب تحریک کے خد و خال بڑی حد تک اپنے صحیح روپ میں اہل نظر کے سامنے ابھر آتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اس قیمتی ذخیرے میں بڑا گراں بہا اضافہ ہے۔ بظاہر مختصر سی کتاب ہے مگر مواد کے انتخاب اور اس کی ترتیب کے اعتبار سے خاصی تسلی بخش چیز ہے۔ کتاب چار حصوں میں اور پھر ہر حصہ تین تین چار چار ابواب میں منقسم ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے دوران میں جو بات سب سے زیادہ جاذب توجہ ہے وہ اسلوب بیان کی متانت ہے جس پر تحقیقی رنگ غالب ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے لیے اس

تکلیف دہ موضوع پر قلم اٹھاتے وقت جذباتی ہو جانا قدرتی سی بات ہے۔ مولانا نے کہیں بھی حقائق نگاری پر اپنے جذبہ و احساس کو غالب نہیں آنے دیا۔ چنانچہ دیباچے میں انہوں نے ایسے قارئین سے معذرت چاہی ہے جنہیں اپنے جوش و خروش کے مقابل کتاب کا خشک اعتدال کوئی نرالی سی چیز نظر آئے گا۔

مولانا نے کتاب کے پہلے باب میں انیسویں صدی کے نصف آخر کی اس سیاسی و دینی صورت حال پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیا ہے جس سے برعظیم پاک و ہند کے مسلمان دوچار تھے۔ سیاسی بدحالی کے ساتھ ساتھ معاشی ابتری اور اخلاقی انحطاط کا احساس شدید تھا۔ نتیجے کے طور پر مسیح موعود کا تصور ایک امید و آرزو کی شکل اختیار کر کے بار بار مضطرب دلوں کو گدگداتا تھا —— علاوہ ازیں انگریزی حکومت کا رویّہ خاصا دل شکن تھا۔ اس حکومت کے زیر سایہ مذہبی آزادی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ غیر منظم مسلمانوں کے خلاف منظم آریہ سماجیوں اور پادریوں کے نعرۂ جہاد کا رنگ دیکھ چکے تھے اور جذبۂ جہاد کو کچلنے کے درپے تھے —— یہ سارے امور مسلم ملت کی پریشانی خاطر کا باعث بنے ہوئے تھے۔

اسی پریشانی سخاطر کو جمعیت خاطر میں بدلنے کے لیے کئی ہمدردان قوم سرگرم عمل تھے۔ بعض وہ تھے جو قوم کے جذبۂ جہاد کو قائم رکھ کر اسے تحفظ و ترقی کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے تھے۔ بعض انگریز کے دل سے مسلمان کی متوقع "بے وفائی" کا وہم دور کرنے کے درپے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اس کوشش میں تھے کہ آریہ سماجیوں اور پادریوں کی زہرافشانی کا سدِّ باب کریں۔ اس دوسرے گروہ میں سرسید اور ان کے کئی رفقاء شامل تھے۔ اسی گروہ کے مسلک سے ملتا جلتا مرزا غلام احمد قادیانی کا مسلک تھا۔ یہ گروہ جدید علوم کی روشنی میں دینی معاملات کی توجیہہ و تشریح کا ایسا مریض تھا کہ جہاں بھی جدید علم اور دین کے کسی مسئلے میں آویزش ہوتی وہاں فوراً تاویل سے کام لیتا اور دین کو سائنس کے تابع کر دیتا —— اس چیز نے دین میں تاویل پسندی کے رجحان کو تقویت بخشی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا غلام احمد جو شروع میں عیسائی پادریوں اور آریہ سماجیوں کے مقابلے میں تاویلوں سے کام لے رہے تھے اور اس طرح مسلم ملت میں دینی حمیت و کثرتِ مطالعہ کے اعتبار سے شہرت پا چکے تھے اسی تاویلی مہارت کے بل بوتے پر رفتہ رفتہ مجدد پھر مسیح موعود اور آخر کامل و سالم نبی بن بیٹھے اور وہ اس طرح کہ ان کے بعد اور کوئی نبی نہ ہوگا گویا خاتم النبیین کے منصب پر خود کو فائز کر دیا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے خود مرزا غلام احمد ہی کی تحریروں سے اپنی ہر دلیل کا اثبات کیا ہے۔ انہوں نے وضاحت سے اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ اس دور میں انگریز کے لیے اس سے زیادہ خوش آئند اور کوئی بات نہ تھی کہ مسلمان باہم دست و گریباں ہوں اور ان کے مابین عقیدوں کی

چپقلش شروع ہو جاتے۔ مرزا غلام احمد کے نئے نئے دعاوی مسلمانوں کی توجہ کو انگریزوں کی جانب سے ہٹا کر قادیان کی طرف منعطف کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں مرزا غلام احمد کا یہ موقف کہ جہاد منسوخ ہو چکا انگریزوں کے لیے مزید خوش کن تھا۔ چنانچہ انگریزی حکومت نے اس پودے کی خوب خوب آبیاری کی۔ فاضل مصنف نے اس نئی تحریک کے سربراہ کی اپنی تحریروں اور ان کے خلیفہ و فرزند کی تحریروں کے اقتباسات سے یہ بات ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ یہ سلسلہ انگریزوں کا کس قدر مرہون اور ممنون تھا۔

انگریزی استعمار کے زیر سایہ پرورش پانے والی جدید باطنی لہر زور پکڑتی گئی اور مرزا غلام احمد کی خود پرستی مستی میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ مرزا نے نہ صرف اپنے مخالفین کی شان میں گستاخیاں کرنا شروع کر دیں بلکہ بعض اوقات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں حد و ادب کا خیال نہ کیا — اپنے دور کے علماء کو تو باضابطہ ماؤں بہنوں کی گالیاں زبان وحی سے بھی دیں اور زبان قلم سے بھی۔ — غیظ و غضب کے انگارے اس طرح بھی بکھیرے کہ لعنت لعنت کہتے کئی صفحے سیاہ کر دیئے۔ یہ اس فرد کا اخلاق ہے جو اپنے آپ کو اکثر و بیشتر انبیاء سے برتر جانتا ہے — اسی ضمن میں یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ محمدی بیگم سے شادی کے جنون میں مبتلا ہو کر دعوےٰ کر لیا کہ اگر واقعی میں مرسل من اللہ ہوں تو یہ شادی ہو کر رہے گی — اس دعوے کے بعد محمدی بیگم کے اعزہ پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے۔ ان خطوط کا حوالہ موجود ہے جن کی رو سے مرزا نے محمدی بیگم کے اعزہ سے رحم کی درخواست بھی کی اور اس خاتون کے والد پر دباؤ ڈالنے کی التجا بھی کی۔ ایک صاحب کو یہاں تک لکھا کہ اگر تم میری شادی کرا دو تو تمہیں اپنی تمام جائداد کا ایک تہائی حصہ حق الخدمت کے طور پر نذر کر دوں گا۔ ایک محترمہ کی بیٹی عزت بی بی مرزا کی بہو تھیں۔ انہوں نے عزت بی بی کی ماں کو کہا کہ اگر وہ اپنے بھائی احمد بیگ کو (جو محمدی بیگم کے والد تھے) اس کام پر آمادہ نہ کریں گی تو تمہیں طلاق دلا دوں گا۔ محمدی بیگم کے والد صاحب کی غیرت برقرار رہی اور یہ شادی نہ ہوئی۔ چنانچہ رسالت کے مدعی نے بیگناہ عزت بی بی کو اپنے بیٹے فضل احمد سے طلاق دلوا دی۔ مرزا کی ڈینگ مارنے کی عادت اس سے قبل بھی تماشا دکھا چکی تھی۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مغفور کے بارے میں مرزا نے کہا تھا کہ اگر میں سچا ہوں تو مولوی ثناء اللہ عنقریب میری زندگی میں چل بسے گا اور اگر میں جھوٹا ہوں تو میں چل دوں گا۔ مرزا چل دیئے اور مولوی ثناء اللہ امرتسری ان سے فقط چالیس برس بعد راہی عدم ہوئے۔

مرزا اپنے دعویٰ میں جوں جوں پختہ ہوتے گئے ان کی ہوس اقتدار میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ جو مجھے نہ مانے گا یا مجھے جھوٹا کہے یا میرے معاملے میں شش و پنج میں رہے وہ کافر ہے۔ ایسے کافر کے پیچھے کوئی احمدی نماز پڑھے نہ ایسے شخص کا کوئی احمدی جنازہ پڑھے — یہ مرزا کا ایک عجیب نفسیاتی

باقی صفحہ پر

آپ کے خطوط سے

*

"آپ کا سنجیدہ اور مخلص تحقیقی مطالعہ بہت پسند آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مبالغہ کے بغیر ایسی تنقیدی کتابوں کا لکھنا بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے اور اتنے سال کتاب کی اشاعت التوا میں رکھنا اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ یہ کتاب محض جذبات کی رو میں نہیں لکھی گئی۔ جس مقصد کے لئے آپ نے یہ محنت کی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرائیں اور آپ کی محنت بار آور ہو۔

ایک گزارش جو مجھے اس کتاب کے بارے میں کرنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے جو حوالے (References) اس کتاب میں دئے ہیں ان میں کتابوں کے نام تو دئے ہیں مگر صفحات نہیں دئے۔ اگر کسی طرح سے ہوسکے تو اگلے ایڈیشن میں یہ کمی پوری کر دیں۔"

امتیاز احمد متعلم ایم۔ بی۔ بی ایس (سال پنجم)
بروم ہوسٹل، لاہور

*

"........... جماعت کے ماضی و حال کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہو کر ثابت ہو گئی ہے کہ ؏
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

حکیم افتخارالحق تکمیلی
پسال پور۔ بیلی بھیت (یو۔ پی) بھارت

*

"......... نقض غزل شائع فرما کر آپ نے تحریک اسلامی کے لئے بہت بڑا کام کیا ہے، اکثر کارکنوں کی آنکھیں کھول رہی ہیں۔ برائے کرم نقض غزل الگ کتابچہ کی شکل میں شائع فرما کر مشکور فرمائیں تاکہ صحیح صورت حال تمام کارکنوں کے سامنے آ سکے۔ آپ نے صحیح تشخیص فرمائی ہے اور اکثر لوگوں نے آپ کے موقف کو درست تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

مشتاق احمد لون (سابق رکن جماعت اسلامی)
دکان نمبر C/330، موتی بازار، راولپنڈی

*

"............ ڈاکٹر اسرار صاحب کا مضمون پڑھ کر بہت سی نئی باتیں سامنے آئی ہیں۔ کم از کم ہندوستان میں تو یہ تمام خبریں اور واقعات اس تفصیل سے لوگوں کے سامنے نہیں آئے تھے۔ اگر آپ ان کی کتاب "تحریک جماعت اسلامی" روانہ کریں تو ممنون ہوں گا۔ اگر یہ تمام باتیں اسی وقت لوگوں کے سامنے آتیں تو ممکن ہے اس وقت صورت حال کچھ اور ہی ہوتی۔ بہرحال اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہو گی۔ یہ بات سبق آموز ہے کہ انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتے رہنا چاہئے ...."

A. R. Siddiqui
Leicester University Library,
University Road, LEICESTER. (U.K.)